وراثتِ نبوت اور اس کے عالی قدر
حاملین کرام یعنی: علم اور علماء

اسلام کا تصورِ علم

علم کا مفہوم وتعارف، شریعت کی نظر میں اس کی غیر معمولی اہمیت ومعنویت، علماء کے فضائل سے متعلق چند آیات مبارکہ اور متعدد صحیح احادیث، علم اور علماء کا معیار ومصداق، اسلامی معاشرے پر علماء کے حقوق اور اہلِ علم پر عام مسلمانوں کے حقوق وفرائض، علم نافع اور غیر نافع کا مفہوم ومصداق اور دور حاضر میں اس کے اسباب وعناصر، علماء سوء کا معیار اور ان کے ساتھ تعامل کا مناسب طریقہ، علم حاصل کرنے اور تعلیم دینے کے شرعی احکام، دنیوی علوم وفنون کا شریعت کی نظر میں صحیح مقام ومرتبہ، علماء دنیا اور علماء آخرت کی ضروری نشانیاں اور اہم علامات

تالیف:
مفتی عُبَیدُ الرحمٰن صاحب، مردان
رئیس دار الافتاء والارشاد، مردان

مکتبہ دار التقویٰ، مردان
0300-9326101
0314-3017364

وراثتِ نبوت اور اس کے عالی قدر حاملین کرام یعنی: علم اور علماء

اسلام کا تصورِ علم

علم کا مفہوم وتعارف، شریعت کی نظر میں اس کی غیر معمولی اہمیت ومعنویت، علماء کے فضائل سے متعلق چند آیات مبارکہ اور متعدد صحیح احادیث، علم اور علماء کا معیار ومصداق، اسلامی معاشرے پر علماء کے حقوق اور اہلِ علم پر عام مسلمانوں کے حقوق وفرائض، علم نافع اور غیر نافع کا مفہوم ومصداق اور دورِ حاضر میں اس کے اسباب وعناصر، علماء سوء کا معیار اور ان کے ساتھ تعامل کا مناسب طریقہ، علم حاصل کرنے اور تعلیم دینے کے شرعی احکام، دنیوی علوم وفنون کا شریعت کی نظر میں صحیح مقام ومرتبہ، علماء دنیا اور علماء آخرت کی ضروری نشانیاں اور اہم علامات

تالیف:

حضرت مولانا مفتی عبید الرحمٰن صاحب، مردان

رئیس دار الافتاء والارشاد، مردان

مکتبہ دار التقوی، مردان

۰۳۰۰-۹۳۲۶۱۰۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب: ۔۔۔۔۔۔اسلام کا تصور علم

مصنف:۔۔۔۔۔۔۔ حضرت مولانا مفتی عبید الرحمان صاحب، مردان

صفحات:۔۔۔۔۔۔۔۱۸۰

تاریخِ اشاعت:۔ صفر ۱۴۴۷ھ اگست ۲۰۲۵

ناشر:۔۔۔۔۔۔۔۔مکتبہ دار التقویٰ، مردان

ملنے کا پتہ: دار الافتاء والارشاد، مردان: ۰۳۰۰۹۳۲۶۱۰۱

فہرستِ مضامین

پیش لفظ

نحمده ونُصلّي علىٰ رسوله الكريم، أمّا بعد:

قرآن وحدیث میں علم اور علماء کرام کی بڑی فضیلت واہمیت بیان فرمائی گئی ہے، عقلی اور تجرباتی لحاظ سے بھی اس کی غیر معمولی اہمیت کوئی ایسی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے جس کے لئے دلائل کا سہارا لینے کی ضرورت ہو، بدیہی باتوں پر دلائل قائم کرنے میں اگرچہ فائدہ بھی متوقع ہے لیکن اس کا یہ نقصان بھی کچھ کم نہیں ہے کہ ان کی بداہت مشتبہ ومخدوش بن جاتی ہے۔

بہرحال اس موضوع سے متعلق چند ضروری نکات اور بھی ہیں جن کو بیان کرنا مفید ہے تاہم "غزہ" میں جاری اسرائیلی وامریکی جارحیت اور مسلمان ہونے کے ناطے اپنی ذمہ داری کا احساس بہت سی باتوں کو ذکر کرنے سے مانع بن جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری کمزوریوں اور بے پناہ غفلتوں کو محض اپنے فضل وکرم سے معاف فرمائیں۔

اس کتاب کا بنیادی مقصود تین باتیں ہیں:

۱: علم اور علماء کرام سے متعلق دین وشریعت کا منشا واضح کرنا، شریعت کی نظر میں اس کی اہمیت اجاگر کرنا۔

۲: عام مسلمانوں کو ان کی دینی ذمہ داری یاد دلانا، کہ وہ دل وجان اور عمل وکردار ہر لحاظ سے دینی علوم کے حاملین کی عظمت واحترام کریں، ان پر بلکہ انہی پر اعتماد کریں، اس حوالے سے غیروں اور دین بے زار لوگوں کے انتہاء پسندانہ تاثرات سے متاثر ہوں اور نہ ان کے پروپیگنڈوں پر کسی طرح کان دھریں، بلکہ [illegible]

کریم ﷺ نے جس طرح ان کو علماء کرام کے ساتھ جوڑ کر رکھا تھا، اسی طرح ان کے ساتھ جڑے رہیں۔

۴: علماءِ کرام کو ان کی ذمہ داریاں اور منصبی فرائض یاد دلانا۔ اہل علم کی طرف منسوب بعض لوگوں کی کوتاہیاں بھی اسی غرض سے ذکر کی گئیں ہیں۔

میرے جیسے کوتاہ وغافل شخص کا علماء کرام کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلانا اگرچہ کچھ جرأت وجسارت کی بات ہے، اللہ تعالیٰ مجھ حقیر کو اہل علم کی بے ادبی واذیت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بچائے رکھے، تاہم ملت کی ڈوبتی کشتی کو سہارا دینے اور پٹڑی سے اتری گاڑی کو واپس پٹڑی پر لانے کا پائیدار طریقہ یہی ہے کہ سب مل کر اپنی استطاعت کے مطابق کام کریں، یہ جذبہ ان جیسی باتوں کو لکھنے پر ابھارتا رہتا ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ دوبارہ نظر ثانی نہ کر سکا، البتہ رفقاءِ کرام میں سے مولانا عادل رضا صاحب اور مولانا مطیع الرحمن صاحب (سلمہما اللہ) نے پرنٹ نکال کر دیکھا ہے، اردو عبارات کا ترجمہ عزیزم حمید اللہ نے کیا، اللہ تعالیٰ سب دوستوں کو جزائے خیر نصیب فرمائیں، ان سطور کو محض اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائیں، ملتِ مرحومہ کی حالت پر خصوصی فضل وکرم فرمائیں، اس کو قیادت وخلافت کی خلعت سے مالا مال فرمائیں۔

ناکارہ عبید الرحمن

دار الافتاء والارشاد، مردان

۲۷ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ

باب اول:

- ❖ علم کا مفہوم، مصداق
- ❖ علم کی فضیلت واہمیت
- ❖ وعید ومذمت، مختلف قسم کے نصوص کا محمل ومصداق
- ❖ علم نافع وغیر نافع کی پہچان
- ❖ حصول علم اور تعلیم کے شرعی احکام

علم کا مفہوم وتعارف

"علم" کا لفظ لغوی لحاظ سے کسی چیز کو جاننے اور سمجھنے کا نام ہے، سمجھنے والے کو عالم، سمجھی ہوئی چیز کو معلوم اور خود اس سمجھنے کو علم کہا جاتا ہے۔ اصطلاحی لحاظ سے اس کا معنی کیا ہے؟ اس میں اہل علم کی تعبیرات مختلف ہیں، چنانچہ:

۱: بعض کے نزدیک واقع کے مطابق اعتقاد رکھنے کو علم کہا جاتا ہے۔

۲: کسی کے نزدیک یہ کسی چیز کی صورت کا عقل میں آجانے کا نام ہے۔

۳: کوئی جہالت کی ضد کو علم کہتا ہے، اگر کوئی چیز پوشیدہ ہے تو جہالت ہے اور پوشیدگی دور ہو جائے تو علم کہلاتا ہے۔

۴: بعض کے ہاں علم اس صفت / ملکہ کا نام ہے جس کے ذریعے انسان مختلف کلیات وجزئیات کا ادراک کرلیتا ہے۔

۵: بعض کے نزدیک یہ ایک بدیہی چیز ہے جو تعریف کی محتاج ہی نہیں ہے۔[1]

علم کے فضائل

قرآن وحدیث میں "علم" کے متعدد فضائل وارد ہوئے ہیں، امت کے اہل علم کا بھی اس کی فضیلت اور غیر معمولی اہمیت پر اتفاق رہا ہے، یہاں اختصار وانتخاب کے ساتھ چند نصوص کا ذکر کیا جاتا ہے۔

پانچ آیاتِ مبارکہ

پہلی آیت کریمہ

قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:

---

[1] التعریفات ،العلم ص: ۱۵۵

﴿أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾[1]

ترجمہ: "(کیا کافر بہتر ہے) یا وہ جو رات کے اوقات میں سجدہ اور قیام کی حالت میں عبادت کر رہا ہو آخرت سے ڈر رہا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید کر رہا ہو، کہہ دو کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں"۔

یہ "استفہام انکاری" ہے جس میں کسی چیز کو سوالیہ انداز میں پیش کر کے اس کی نفی کرنا مقصود ہوتا ہے، اس کا حاصل یہ ہوا کہ جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر نہیں ہو سکتے، دونوں میں فرق ہے، ظاہر ہے کہ جاننے والے لوگوں کا درجہ و مقام بلند ہے، رہا یہ سوال کہ یہ بلندی کس قدر ہے؟ اس کا پورا پورا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام رازی رحمہ اللہ نے یہ "لطیفہ" بھی نقل فرمایا ہے کہ: کسی عالم سے لوگوں نے پوچھا: علم مال سے کہاں افضل ہو سکتا ہے جبکہ علماء مال داروں کے پاس جاتے ہیں اور مال دار اُن کے پاس نہیں جاتے! اس عالم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: یہ بھی تو علم کی افضلیت کی دلیل ہے کہ علم والوں کو مال کے فوائد معلوم ہیں ، اس لئے وہ اس کو حاصل کرنے کے لئے مالداروں کے ہاں جاتے ہیں جبکہ مال والے علم کے

فوائد سے واقف نہیں ہیں، اس لئے وہ علماء کے پاس نہیں آتے۔

دوسری آیت کریمہ

ارشاد خداوندی ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾[2]

---

۱ سورۃ الزمر، ایت ۹.

ترجمہ: "بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں"۔

اس آیت مبارکہ میں حصر کے ساتھ یہ اعلان فرمایا گیا ہے کہ بندگان خدا میں سے علماء ہی ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، اس کا خوف و خشیت رکھتے ہیں۔ علماء کی خشیت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ خشیت معرفت سے پیدا ہوتی ہے، جب کسی چیز سے اچھی طرح واقفیت پیدا ہو جاتی ہے تو اس سے محبت اور خشیت کے جذبات ونفسیات پیدا ہو سکتے ہیں، اب علم کی وجہ سے علماء کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے، اس کے نتیجے میں خشیت اور خوف بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

اس سے علماء کی فضیلت بھی ثابت ہو جاتی ہے، وجہ یہ ہے کہ کونسا انسان اللہ تعالیٰ کے ہاں کس درجے پر فائز ہے؟ اس کا مدار بھی تقویٰ اور خشیت پر ہے، جب تقویٰ اور خشیت میں اہل علم ممتاز مقام کے حامل ہیں تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں بھی ان کو نمایاں مقام حاصل ہوگا، اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ علم کا مقام و مرتبہ عمل وعبادت کے مقام و مرتبہ سے کہیں زیادہ ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

الخشية بقدر معرفة المخشي، والعالم يعرف الله فيخافه ويرجوه. وهذا دليل على أن العالم أعلى درجة من العابد، لأن الله تعالى قال: إن أكرمكم عند الله أتقاكم فبين أن الكرامة بقدر التقوى، والتقوى بقدر العلم. فالكرامة بقدر العلم لا بقدر العمل.[1]

---

٢ سورة فاطر، ايت ٢٨.

[1] تفسير الرازي، سورة فاطر، ايت ٢٩، ج٢٦، ص٢٣٦۔

ترجمہ:"دل میں کسی چیز کا خوف بھی اس کی معرفت اور پہچان کے بقدر ہوتی ہے، چونکہ عالم دین خدا تعالیٰ کی معرفت سے سرفراز ہوتا ہے، اس وجہ سے اس کے دل میں اللہ کا خوف اور اس کی رحمت کی امید میں ہوتی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عالم عابد سے بہت بہتر ہے کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ:" اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا ہے "اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بندہ کا مقام و مرتبہ تقویٰ کے بقدر ہے اور چونکہ علم کے بقدر تقویٰ ہوتا ہے تو مقام و مرتبہ علم کے لحاظ سے ہے نہ کہ عمل کے اعتبار سے"۔

تیسری آیت کریمہ

"سورۃ مجادلہ" میں ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ وَإِذَا قِيلَ انْشُزُوا فَانْشُزُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ﴾۔[1]

ترجمہ:"اے ایمان والو! جب تمہیں مجلسوں میں کھل کر بیٹھنے کو کہا جائے تو کھل کر بیٹھو اللہ تمہیں فراخی دے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جاؤ تم میں سے اللہ ایمان داروں کے اور ان کے جنہیں علم دیا گیا ہے درجے بلند کرے گا"۔

اس آیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ اگر مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکام اور شریعت کی تعلیمات پر عمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے درجات بلند کر دیئے جائیں گے، عام مسلمانوں کو ذکر کرنے کے بعد اہل علم کو الگ طور پر بھی ذکر فرمایا، اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اہل علم کے درجات خاص طور پر بلند ہوں گے۔

---

[1] سورۃ مجادلۃ، ایت ۱۱۔

اس سے علم کی کتنی بڑی فضیلت واضح ہو رہی ہے کہ نیک اعمال کی پابندی عام شخص اور عالم ایک جیسا کرتے ہیں لیکن اس پر جو درجات و مقامات نصیب ہوں گے، وہ یکساں نہیں ہوں گے بلکہ اہل علم کو زیادہ مقام و مرتبہ حاصل ہوگا، اس لئے سلف صالحین نے اس آیت کو علم کی ترغیب و فضیلت قرار دیا ہے، "تفسیر کشاف" میں ہے:

عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه: أنه كان إذا قرأها قال يا أيها الناس افهموا هذه الآية ولترغبكم في العلم.[1]

ترجمہ: "حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: جب وہ یہ آیت مبارکہ پڑھتے تو فرماتے اے لوگو! اس آیت کو جانو اور علم میں رغبت پیدا کرو"۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

أي يرفع الله المؤمنين بامتثال أوامر رسوله، والعالمين منهم خاصة درجات، ثم في المراد من هذه الرفعة قولان: الأول: وهو القول النادر: أن المراد به الرفعة في مجلس الرسول عليه السلام والثاني: وهو القول المشهور: أن المراد منه الرفعة في درجات الثواب، ومراتب الرضوان.[2]

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی وجہ سے باری تعالیٰ مسلمانوں کا مقام و مرتبہ بلند فرماتے ہیں، اور علماء کرام کو تو خصوصی مراتب سے نوازتے ہیں۔ پھر مقام و مرتبہ بلند کرنے سے مراد دو باتیں ہو سکتی ہیں: پہلی بات جو کہ نادر ہے وہ یہ کہ: آپ ﷺ

---

١ تفسير الزمخشري، سورة مجادلة، ايت ١١، ج٤، ص٤٩٢-
٢ تفسير الرازي، سورة مجادلة، ايت ١١، ج٢٩، ص٤٩٤-

کی مجلس میں ان لوگوں کا مرتبہ بالا ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ ثواب اور رضا خداوندی میں ان کو اعلیٰ مراتب سے نوازا جاتا ہے"۔

چوتھی آیت مبارکہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾[1]۔

ترجمہ: "اور یہ مثالیں ہیں جنہیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور انہیں وہی سمجھتے ہیں جو علم والے ہیں"۔

اس آیت مبارکہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ انسان اپنے مقاصدِ زندگی میں علماء کے محتاج ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ انسانیت کی تخلیق کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے، اِس بندگی کی دوسری تعبیر یہی ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات وہدایات پر عمل درآمد ہو، قرآن کریم کی تعلیمات میں سے ایک اہم حصہ "امثال" ہیں جو قرآن کریم میں ذکر کئے گئے ہیں، ان آیت کے مطابق اس حصہ کو علماء کے علاوہ کوئی نہیں سمجھتا۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ غیر عالم شخص اگر ان تعلیمات پر عمل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے اہل علم کی طرف ہی رجوع کرنا ضروری ہے، معلوم ہوا کہ عوام اہل علم سے کہیں مستغنی نہیں ہو سکتے۔

اس سے جہاں علم کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، وہاں عام مسلمانوں کی بھی رہبری ہو جاتی ہے کہ وہ دین اسلام کی تمام تر تعلیمات کو براہ راست جاننے سے قاصر ہیں، اس لئے علماء کرام کے ساتھ اعتماد ومحبت کا رشتہ برقرار رکھیں اور ان کے توسط ہی

---

[1] سورة عنكبوت، ايت ٤٣۔

سے دینی تقاضے معلوم کر کے ان پر عمل کر لیا کریں، اس باب میں اپنی سمجھ پر اعتماد نہ کر بیٹھیں، بہت ہی شوق ہو تو عالم بن جائیں۔

پانچویں آیت کریمہ

ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللهِ خَيْرٌ لِمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ﴾.[۱]

ترجمہ: "اور علم والوں نے کہا تم پر افسوس ہے اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لئے جو ایمان لایا اور نیک کام کیا مگر صبر کرنے والوں کے سوا نہیں ملا کرتا"۔

قارون کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی دولت سے نوازا تھا، لیکن وہ نا اہل اپنی قابلیت اور اپنے استحقاق پر مغرور تھا کہ یہ سب کچھ مجھے میری قابلیت اور لیاقت کی بنیاد پر ملا ہے، ایک دن وہ اپنی دولت کے نشے میں بڑے طمطراق کے ساتھ قوم کے سامنے آیا، لوگوں نے جب اس کی غیر معمولی زیب وزینت اور دولت کی فراوانی دیکھی تو ان کے دل بہکنے لگے، اس موقع پر اہل علم نے ان کی رہنمائی کی اور یہ جملہ ارشاد فرمایا جو درج بالا آیت کریمہ میں درج ہے۔

اس سے اہل علم کی فضیلت عیاں ہو جاتی ہے کہ قومیں جب فتنے میں مبتلا ہو جاتی ہیں تو یہی اہل علم ہی ہوتے ہیں جو ان کو فتنوں کے کھڈے میں گرنے سے محفوظ رکھ سکتے ہیں، یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ علم ہی وہ دولت ہے جس کی بنیاد پر انسان فتنوں کے سیلاب میں بہنے سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ عام مسلمانوں کو بھی اس سے سبق مل جاتا

---

۱ سورۃ قصص، ایت ۸۰۔

ہے کہ ایسے خطرناک موڑ پر اپنی باتوں یا اپنے جیسوں کی باتوں پر زیادہ اعتماد نہ کریں بلکہ خدا ترس اہل علم کی اقتدا و اعتماد میں رہیں، انہی کی برکت سے مشکلات و فتن سے حفاظت نصیب ہو سکتی ہے۔ اس وقت عالمی طور پر فتنوں کی جوانی کا وقت ہے، اس لئے اس وقت علم کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

علم کے فضائل احادیث مبارکہ کی روشنی میں

احادیث مبارکہ میں علم کے بے پناہ فضائل وارد ہوئے ہیں، یہاں ان سب کا احاطہ کرنا مقصود نہیں ہے اور شاید آسان بھی نہیں ہے، علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ کی کتاب "جامع بیان العلم وفضلہ" کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے جہاں اس موضوع سے متعلق روایات وآثار کا وافر اور قابل قدر ذخیرہ جمع فرمایا گیا ہے، یہاں نمونے کے طور پر تیرہ ایسی روایات ذکر کی جاتی ہیں جو صحت کے لحاظ سے بھی معتمد ہوں اور اپنے مدعی پر بھی وضاحت کے ساتھ دلالت کرتی ہوں۔

پہلی حدیث شریف

"صحیح مسلم" میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا، سَهَّلَ اللهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ.[۱]

ترجمہ: "جو حصول علم کے رستے پہ چلتا ہے، خدا اس کی وجہ سے اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرمادیتے ہیں"۔

---

۱ صحیح مسلم، کتاب الذکر، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر، ج ٤، ص ٢٠٧٤۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حصولِ علم کا راستہ جنت کا راستہ ہے، جو شخص علم حاصل کرنے کی راہ پر نکلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرمادیتے ہیں۔ نیک اعمال کا بڑا مقصود یہ ہوتا ہے کہ انسان جنت جائے، وہاں کی نعمتوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سرفراز ہو، علم حاصل کرنے سے یہ مقصود آسانی کے ساتھ اور یقینی طور پر حاصل ہو جاتا ہے۔

دوسری حدیث شریف

"سنن ترمذی" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من خرج في طلب العلم فهو في سبيل الله حتى يرجع. هذا حديث حسن.[1]

ترجمہ: "جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے نکلے تو واپس لوٹنے تک وہ اللہ کی راہ میں ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ طالب علمی کا راستہ، اللہ تعالیٰ کا (خاص) راستہ ہے، جب تک کوئی شخص اسی مقصد کے لئے گھر سے باہر ہوتا، اس وقت تک وہ خدا کی راہ میں شمار کیا جاتا ہے، "سبیل اللہ" یعنی اللہ کے راستے کے جو فضائل و فوائد قرآن وحدیث میں مذکور ہیں، وہ ایسے شخص کو حاصل ہوتے ہیں۔ علامہ حسین مظہری رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: طالب علم کے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو مجاہد جیسا ثواب ملے گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ علم اور جہاد دونوں کے ذریعہ دینی مراسم

---

۱ سنن الترمذي، ابواب العلم، باب فضل العلم، ج٤، ص٣٢٥۔

وتعلیمات زندہ ہو جاتے ہیں، دین دشمن ماحول وطاقتیں کمزور پڑ جاتی ہیں، وہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

يعني: من خرج من بيته في طلب العلم فله أجر من خرج للجهاد مع الكفار حتىٰ يرجع إلى بيته.

ووجه مشابهة طلبِ العلم بالجهاد: أن طلب العلم إحياء للدين، وإذلال للشيطان، وإتعابٌ للنفس، وكَسْرٌ للهوىٰ واللذة، كما كانت هذه الأشياء في الجهاد.[١]

ترجمہ: یعنی جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے گھر سے نکلے تو اس کے لیے اس شخص جتنا ثواب ہے جو اپنے گھر سے کفار کے ساتھ جہاد کے لیے نکلے یہاں تک کہ اپنے گھر لوٹ آئے۔ اور طلب علم کی جہاد کے ساتھ مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ: حصول علم کا مقصد بھی دین کو زندہ کرنا، شیطان کو ذلیل کرنا، نفس کو تھکانا اور خواہشات کو ختم کرنا ہوتا ہے، جیسا کہ جہاد میں یہ چیزیں ہوتی ہیں۔

یاد رہے کہ یہاں علم سے مراد وہی علم ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کردے، یہ تب ہوگا جب علم بھی دین کا ہو اور اس کو حاصل بھی اخلاص وعمل کے جذبے سے کیا جائے، علامہ مُناوی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

قال الغزالي: وهذا وما قبله وما بعده في العلم النافع وهو الذي يزيد في الخوف من الله وينقص من الرغبة في الدنيا وكل علم لا

---

١ المفاتيح، كتاب العلم، ج١، ص٣٢٠۔

يدعوك من الدنيا إلى الآخرة فالجهل أعود عليك فيه فاستعذ بالله من علمٍ لا ينفع.[1]

ترجمہ: "امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ: یہ اور اس طرح دیگر فضائل علم نافع کے بارے میں ہیں۔ علم نافع وہ ہے جس کی وجہ سے خوف خداوندی بڑھ جائے، دنیا کی رغبت کم ہو۔ چنانچہ جو علم بندہ کو دنیا سے بے رغبت کر کے آخرت کا طلب گار نہ بنائے تو وہ جہل کو کھینچ لاتی ہے جس سے خدا تعالیٰ کے ساتھ پناہ مانگنی چاہیے"۔

تیسری حدیث شریف

"سنن ترمذی" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عن ابن عباس، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين. وفي الباب عن عمر، وأبي هريرة، ومعاوية هذا حديث حسن صحيح.[2]

ترجمہ: "حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی نقل ہے کہ: اللہ تعالیٰ جس بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے تو اسے دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں"۔

دین میں فقاہت بھی "علم دین" ہی کا ایک حصہ ہے، اس روایت سے معلوم ہوا کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر اور بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں، ان کو دینی سمجھ عنایت فرماتے ہیں۔ خیر و بھلائی ہر شخص کی اپنے مزاج و مذاق اور رجحانات کے مطابق ہوتا ہے،

---

١ فيض القدير، حرف الميم، ج٦، ص١٧٦۔

٢ سنن الترمذي، ابواب العلم، باب فضل العلم، ج٤، ص٣٢٥۔

کوئی مادی چیزوں اور ان کی کثرت وفراوانی کو خیر وبھلائی خیال کرتا ہے، کوئی عزت ومنصب کو خیر وبھلائی سمجھتا ہے، کوئی کسی اور چیز کے بارے میں ایسا تصور کرتا ہے، لیکن یہ سب چیزیں فانی ہیں، محدود فوائد کے حامل ہیں، اصل بھلائی دین کا علم اور اس پر عمل ہے جو جنت جانے کے راستے ہیں جہاں ہمیشہ کی کامیابی اور خوشحالی ہے۔

معلوم ہوا کہ دین میں تفقہ کی دولت کا نصیب ہو جانا آخرت کی کامیابی کی نشانی ہے، کسی کو استقامت کے ساتھ یہ دولت نصیب ہو جائے تو بڑی قسمت اور سعادت مندی کی بات ہے۔

چوتھی حدیث شریف

"سنن ابی داؤد" میں حضرت کثیر بن قیس رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ میں دمشق کی (جامع) مسجد میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک شخص حاضر ہو کر ان سے کہنے لگا کہ میں مدینہ منورہ سے یہاں آپ کے پاس صرف ایک حدیث سننے کے لئے حاضر ہوا ہوں جو آپ حضور ﷺ کے حوالہ سے بیان کرتے ہو، میں کسی اور مقصد کے لئے یہاں نہیں آیا، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے اس کی بات سن کر فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

"مَنْ سلَكَ طريقاً يطلُبُ فيه علماً سَلَكَ الله عزّ وجلّ به طريقاً من طُرُقِ الجنة، وإنَّ الملائكةَ لتَضَعُ أجنحتَها رضاً لطالبِ العلم، وإنَّ العالِمَ ليستغفِرُ لهُ مَن في السَّماواتِ ومَن في الأرضِ والحيتانُ في جوف الماء، وإن فضلَ العالِمِ على العابِدِ كفضل القَمَرِ ليلةَ البدرِ على سائر الكواكِبِ، وإنَّ العلماءَ ورثةُ الأنبياء، وإن الأنبياءَ لم

يُورِّثُوا ديناراً ولا دِرْهماً، ورَّثُوا العِلْمَ، فمن أخذه أخذ بحظٍّ وافرٍ"۔[1]

ترجمہ: "جو شخص حصول علم کے لیے نکلے اللہ تعالیٰ اسے اس کی وجہ سے جنت کی راہوں میں سے ایک راہ پر چلائے گا اور فرشتے طالب علم کی خوشی کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں (یا جھکاتے ہیں) عالم کے لئے آسمانوں اور زمین وآسمان کی مخلوقات مغفرت کی دعائیں کرتی ہیں یہاں تک کہ پانی کے اندر مچھلیاں بھی۔ اور عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جیسی چودھویں چاند کی فضیلت باقی سب ستاروں پر۔ تمام علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں اور نبیوں نے دینار اور درہم وراثت میں نہیں چھوڑے، ان کی وراثت علم ہے پس جس نے اسے حاصل کیا اس نے بہت وافر حصہ لیا"۔

اس حدیث میں علم کی فضیلت سے متعلق پانچ باتیں (جملے) ارشاد فرمائی گئی ہیں جن میں سے پہلی بات کی کچھ وضاحت "پہلی حدیث شریف" کے ضمن میں گزر چکی ہے، باقی جملوں کی مختصر تشریح یہ ہے:

دوسرے جملے سے علم اور علماء کی بے پناہ فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ فرشتے باوجودیکہ معصوم مخلوق ہیں، وہ طالب علم کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں اور یہ پر بچھانا تکلف، تصنع یا مجبوری کے طور پر نہیں ہوتا بلکہ طالب علمی کے کام پر خوشی اور رضامندی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

تیسرے جملے کے مطابق آسمان وزمین کی مختلف مخلوقات یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں بھی عالم کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔ عام طور پر اس جملہ کی قدر وقیمت

---

۱ سنن ابي داود، كتاب العلم، باب الحثّ على طلب العلم، ج٥، ص٤٨٥۔

پوری طرح سامنے نہیں ہوتی، اس لئے سرسری طور پر ایسے جملوں کو گوش گزار کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں، استغفار اگر درست طریقے پر کی جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کا ذریعہ بن جاتا ہے اور مغفرت وہ عظیم نعمت ہے جس کو نصیب ہو جائے وہ یقینی طور پر خدا کا مقرب اور جنتی بن جاتا ہے، آخرت کی تمام نعمتوں کا بڑا دروازہ یہی مغفرت ہی ہے، چنانچہ وہاں کی کامیابی یا تو اس طرح حاصل ہو گی کہ انسان کے گناہ نیکیوں کی بنسبت کم ہوں یا گناہ تو بہت ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت نصیب ہو جائے، ہم چونکہ کمزور اور دینی لحاظ سے بہت ہی کمزور ہیں، متعدد اجتماعی اور انفرادی دینی کوتاہیوں کے شکار ہیں، اس لئے یہ یقین کرنا تو بالکل بے جا ہے کہ اپنے عمل سے نجات پانے کے مستحق بن جائیں، اس لئے یہی دوسرا راستہ ہی ہمارے لئے باعثِ نجات ہے، لہٰذا جو چیزیں مغفرت کا ذریعہ ثابت ہو سکتی ہیں، ان کو خوب اہتمام کے ساتھ اور ہر قیمت پر اختیار کر لینا چاہئے۔

چوتھے جملے میں عالم کی عابد پر فضیلت ارشاد فرمائی گئی ہے اور مزید وضاحت کے لئے اس کی حسی مثال دی ہے، چنانچہ جس طرح چودھویں رات کی چاند دیگر ستاروں سے بالکل واضح اور ممتاز ہوتی ہے، یوں ہی عالم بھی اس عابد سے ممتاز درجے کا حامل ہے جو عالم نہ ہو۔

پانچویں جملے میں علماء کو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا وارث قرار دیا گیا ہے کہ علم ان حضرات کی میراث اور اس علم کے حاملین علماء ان کے وارث اور جانشین ہیں، حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام مال و دولت کے ساتھ شغف نہیں رکھتے جو ان کا میراث بن جائے، وہ تو دین کا علم ہی چھوڑ کر جاتے ہیں، پس جو شخص جس قدر زیادہ علم حاصل کرے گا، وہ اس قدر زیادہ ان کے قریب ہو گا۔

اس ایک جملے سے علم اور علماء کی فضیلت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ پوری مخلوقات میں سب سے بڑا درجہ انہی حضرات انبیاء کرام (علیہم الصلاۃ والسلام) کا ہے، اب جو شخص ان کے جس قدر قریب ہو گا، وہ اسی قدر ممتاز درجات و مراتب کا حاصل کرنے والا ہو گا، فضیلت کے ساتھ ساتھ اہل علم کو ایک ایسا پیمانہ بھی مہیا ہو جاتا ہے جس کے ذریعے وہ کسی بھی وقت اپنے آپ کو ناپ سکتے ہیں کہ وہ سچے معنی میں ان حضرات کے جانشین ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو کس قدر؟ ساتھ ساتھ ایسا سانچہ بھی واضح ہو جاتا ہے جس میں ڈھل کر ہر عالم اپنے آپ کو سنوار سکتا ہے، دنیا اور مال مقصود کے درجہ میں ہو تو وہ نبوت کی وراثت سے محروم ہیں۔[1]

پانچویں حدیث شریف

"سنن ابن ماجہ" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

«طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ»[2]

ترجمہ: "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"۔

اس روایت سے جہاں علم حاصل کرنے کا حکم واضح ہو جاتا ہے، یوں ہی اس کی اہمیت اور فضیلت بھی ظاہر ہو جاتی ہے، اس کی اصولی وجہ یہ ہے کہ نوافل کے خواہ کتنے ہی فضائل و فوائد ذکر ہوں، وہ فرض کے برابر نہیں ہو سکتے، نفل عمل کا ثواب خواہ کتنا ہی

---

[1] اس کا بڑا واضح قرینہ یہ ہے کہ اس روایت کے دیگر متعدد طرق میں "ورثوا العلم" کے ساتھ "إنما" کا لفظ بھی وارد ہوا ہے جو کلام میں حصر پیدا کرنے کے لئے آتا ہے، اس کے مطابق اس کا ترجمہ یہ ہو جائے گا کہ اُن حضرات نے تو علم ہی میراث میں چھوڑا ہیں۔

[2] سنن ابن ماجه، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، ج۱، ص۸۱۔

زیادہ ہو، لیکن فرض کے برابر نہیں ہوتا، اب جب اس روایت میں "علم کے طلب کرنے" کو ہر مسلمان کا فرض قرار دیا تو خود بخود باقی نفل اعمال پر اس کی فضیلت بھی آشکارا ہو گئی اور معلوم ہوا کہ دینی علم حاصل کرنا بہت ہی اجر و ثواب کا حامل ہے۔

چھٹی حدیث شریف

"سنن ابن ماجہ" میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ جَاءَ مَسْجِدِي هَذَا، لَمْ يَأْتِهِ إِلَّا لِخَيْرٍ يَتَعَلَّمُهُ أَوْ يُعَلِّمُهُ، فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَمَنْ جَاءَ لِغَيْرِ ذَلِكَ، فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ يَنْظُرُ إِلَى مَتَاعِ غَيْرِهِ».[1]

ترجمہ: "جو میری اس مسجد میں صرف اس لئے آئے کہ بھلائی کی بات سیکھے یا سکھائے وہ راہ خدا میں لڑنے والے کے برابر ہے اور جو اس کے علاوہ کسی اور غرض سے آئے تو وہ اس شخص کی مانند ہے جو دوسرے کے سامان پر نظر رکھے"۔

اس روایت میں اس شخص کو مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح قرار دیا گیا جو دین کا علم سیکھنے یا سکھانے کے لئے مسجد جاتا ہے، جہاد اگر ایک طرف بے پناہ مشقت و صعوبت بھرا کام ہے تو ساتھ اس کے فضائل بھی بہت زیادہ ہیں، بہت سے اہل علم کے نزدیک وہ "افضل الاعمال" یعنی تمام اعمال میں سے افضل ترین عمل ہے، علم سیکھنا سکھلانا اس طرح پُر مشقت کام نہیں ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس آسان عمل پر بھی اس مشقت بھرے عمل کا ثواب دے دیتا ہے۔

---

[1] سنن ابن ماجه، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، ج١، ص٨٢-

یادرہے کہ اس روایت میں اگرچہ خاص مسجد نبوی (علی صاحبہا آلاف تحیات وتسلیمات) کا ذکر ہے لیکن اکثر محققین کے نزدیک یہ فضیلت کچھ اسی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ دیگر مساجد کو بھی شامل ہے، یہ الگ بات ہے کہ مسجد نبوی ﷺ کی فضیلت واہمیت اپنی جگہ ایک طے شدہ حقیقت ہے۔ حضرت شیخ عبد الحق دہلوی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

قوله: (من جاء مسجدي هذا) ذكر مسجده -صلى الله عليه وسلم- على طريق الاتفاق والتمثيل لا التقييد، ولا بد منه لكون هذا الحكم فيه أتم وأكمل وأفضل.[۱]

ترجمہ: "آپ ﷺ نے اس حدیث مبارکہ میں جو مسجد نبوی کا تذکرہ فرمایا ہے وہ قید اتفاقی یا مثال کے طور پر کیا ہے، قید احترازی اور ضروری کے درجے میں نہیں، تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ مسجد نبوی میں یہ فضیلت کامل، مکمل اور افضل طریقے سے حاصل ہوگی"۔

ساتویں حدیث شریف

"سنن ابی داود" میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«نَضَّرَ اللهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا، فَحَفِظَهُ حَتَّى يُبَلِّغَهُ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيهٍ».[۲]

---

۱ لمعات التنقيح، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الثالث، ج۲، ص۴۹۲۔

۲ سنن ابي داود، كتاب العلم، باب فضل نشر العلم، ج۳، ص۳۲۲۔

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز وشاداب رکھے جو ہم سے کوئی حدیث سن کر اسے یاد رکھے حتیٰ کہ اسے آگے پہنچادے، کیونکہ زیادہ تر سننے والے لوگ اسے ان لوگوں تک پہنچاتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہوتے ہیں اور کئی سننے والے خود فقیہ نہیں ہوتے"۔

اس حدیث شریف میں اس شخص کے سرسبز وشاداب رہنے کی دعاء فرمائی گئی ہے جو حدیث سن کر محفوظ رکھے اور پھر کسی کو آگے پہنچائے، دینی علم وتعلیم میں یہی ہوتا ہے کہ حدیث سیکھ کر یاد کرتے ہیں اور پھر اگلوں کو پہنچانے اور سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اس حدیث میں ایک خاص بات یہ ہے کہ: دعاء خوشحالی اور رضامندی کی بنیاد پر دی جاتی ہے، اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایسے افراد سے آپ ﷺ خوش ہوتے ہیں اور یہ بات تو بالکل ہی ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی خوشی اللہ تعالیٰ کی خوشی ہے۔

دوسری بڑی بات یہ ہے کہ: سرسبز وشاداب رہنے کی یہاں جو دعاء فرمائی گئی ہے، اس میں کسی خاص مدت کا ذکر نہیں فرمایا گیا، لہٰذا یہ صرف دنیوی زندگی تک محدود نہیں ہے بلکہ آخرت کا معاملہ بھی اس میں شامل ہے، آخرت کی شادابی پوری کامیابی اور جنت جائے بغیر کہاں حاصل ہو سکتی ہے!

آٹھویں حدیث شریف

"سنن ابی داوٗد" میں ہے کہ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلَّى الله عليه وسلم، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي أُبْدِعَ بِي فَاحْمِلْنِي، قَالَ: «لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكَ عَلَيْهِ، وَلَكِنِ ائْتِ فُلَانًا

فَلَعَلَّهُ أَنْ يَحْمِلَكَ» فَأَتَاهُ فَحَمَلَهُ، فَأَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ».[۱]

ترجمہ: "حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ: ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آکر کہنے لگا: یارسول اللہ! میری سواری کا جانور تھک کر بے کار ہوگیا ہے، لہٰذا مجھے سواری عطا فرمایئے، حضور ﷺ نے فرمایا: میرے پاس سواری نہیں جو تجھے دے دوں، لیکن تو فلاں شخص کے پاس جا شاید وہ تجھے سواری مہیا کردے چنانچہ وہ اس کے پاس گیا اور اس نے سواری دے دی، پھر وہ شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس اطلاع کی غرض سے تشریف لائے آپ ﷺ نے فرمایا، جس نے بھلائی کی طرف رہنمائی کی اس کے لئے بھی بھلائی کرنے والے کی طرح اجر وثواب ہے"۔

یہ حدیث شریف خاص علم ہی کی فضیلت میں تو نہیں ہے بلکہ تمام نیکیوں کو عام ہے، تاہم اس کا ایک بڑا اور اہم تر مصداق علم اور حضرات علماء کرام ہیں، وہ قوم کو دین کی تعلیمات واحکام سے روشناس کراتے ہیں اور پھر قوم ان تعلیمات پر عمل کرتی ہے، عام لوگوں کے پاس دین پہنچنے کا بڑا ذریعہ یہی حضرات علماء کرام ہی ہیں، وہ نماز، روزہ وغیرہ احکام پر بھی انہی علماء کرام کی رہنمائی کے مطابق ہی عمل کرتے ہیں، لہٰذا ان جیسے تمام اعمال کا اجر وثواب جس طرح کرنے والے افراد کو ملے گا، یوں ہی رہنمائی کرنے والے عالم کو بھی ان جیسا ثواب ملے گا۔

اس پر غور کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ دین کی دعوت اور لوگوں کو تعلیم و تلقین کرنے والے عالم دین کو صرف ایک ہی فرد جیسا اجر وثواب نہیں ملتا بلکہ اپنے حلقہ

---

۱ سنن ابي داود، ابواب النوم، باب في الدال على الخير، ج ۲، ص ۳۳۳۔

خدمت کی وسعت کے مطابق متعدد افراد جیسا اجر وثواب ملتا ہے، یہ علم اور اہل علم کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ ایک گھر میں کمانے والا شخص ایک ہو اور دوسرے گھر میں اس جیسے سو افراد کماتے ہوں تو ظاہر ہے کہ دوسرے گھر کے افراد زیادہ مالدار اور خوشحال ہوں گے، یوں ہی عالم کی نیکیوں کا کھاتہ بھرنے والے سینکڑوں / ہزاروں افراد ہوتے ہیں جبکہ عام شخص اگر دین کی تعلیم و تلقین کی خدمت انجام نہ دے تو اس کے نیکیوں والے کھاتے میں صرف اسی کے اعمال درج ہوتے ہیں۔

نویں حدیث شریف

"صحیح مسلم" میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ "[1]

ترجمہ: "جب انسان مر جاتا ہے تو تین اعمال کے علاوہ تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں، صدقہ جاریہ یا وہ علم جس سے نفع اٹھایا جائے یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی رہے"۔

مرنے سے چونکہ انسان کے نیک کام کرنے کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے، اس لئے اس کے نامہ اعمال میں کسی نئے عمل کا ثواب درج ہونا بھی بند ہو جاتا ہے، تاہم یہ اس روایت مبارکہ میں تین چیزوں کا استثناء فرمایا گیا ہے جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی

---

۱ صحیح مسلم: کتاب الوصیة،باب ما یلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، ج۲،ص۱۲۵۵-

انسان کو ملتا رہتا ہے، ان تین چیزوں میں سے ایک اہم چیز ایسا "علم" بھی ہے جس عالم کے انتقال کے بعد بھی فائدہ اٹھایا جائے۔

مثال کے طور پر عالم دین نے بچوں کو نماز، روزہ سکھایا، اور وہ بچے بڑے ہو کر یہ عبادات انجام دیتے ہیں، ناظرہ قرآن سکھایا اور پھر خود تو وہ عالم دین دنیا سے رخصت ہوا لیکن وہ ناظرہ پڑھنے والے قرآن پڑھتے ہیں، اسی طرح کسی عالم دین نے کسی دینی مسئلہ پر اخلاص کے ساتھ کوئی کتاب لکھی، پھر خود تو دنیا سے انتقال کر گیا لیکن لوگ مرنے کے بعد بھی ان کی کتاب سے دین سیکھتے رہتے ہیں، وغیرہ۔ یہ سب علم سے بعدِ مرگ فائدہ اٹھانے کی مختلف صورتیں ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قال العلماء معنى الحديث أن عمل الميت ينقطع بموته وينقطع تجدد الثواب له إلا في هذه الأشياء الثلاثة لكونه كان سببها فإن الولد من كسبه وكذلك العلم الذي خلفه من تعليم أو تصنيف.[1]

ترجمہ: "علماء کرام فرماتے ہیں کہ: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ: فوت ہونے سے انسان کا عمل منقطع ہوتا ہے اور مسلسل ثواب کا سلسلہ بند ہوتا ہے البتہ ان تین چیزوں کا ثواب مسلسل جاری رہتا ہے، کیونکہ یہ شخص اس کا ذریعہ بنا تھا۔ چونکہ اولاد بھی انسان کی کمائی ہے اسی طرح اپنے پیچھے چھوڑنے والا علم، تصنیف و تعلیم بھی اس طرح باقی رہتی ہے"۔

---

١ شرح النووي، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، ج۱۱، ص۸۵۔

دسویں حدیث شریف

"سنن ابن ماجہ" میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ، مَلْعُونٌ مَا فِيهَا، إِلَّا ذِكْرَ اللهِ، وَمَا وَالَاهُ، أَوْ عَالِمًا، أَوْ مُتَعَلِّمًا».[1]

ترجمہ: "دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی ملعون ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی یاد اور جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور عالم اور طالب علم"۔

"لعنت" اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری اور محرومی کا نام ہے، چونکہ دنیا وآخرت دونوں کی گاڑی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور رحمت ہی کے سہارے چلتی ہے، اس لئے لعنت کے نتیجے میں انسان دونوں جہانوں کی خیر وبرکت سے محروم ہو جاتا ہے، اس لحاظ سے یہ بہت ہی گھاٹے کی بات اور خسارے کا باعث ہے۔ یہاں "دنیا" سے ہر وہ چیز مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے احکام کی فرمانبرداری میں رکاوٹ بن جائے۔

اس روایت مبارکہ کے مطابق دنیا اور تمام تر سامانِ دنیا ملعون ہے، اس لعنت سے اگر کچھ مستثنیٰ ہیں تو چار چیزیں ہیں، ان چار میں سے دو اہم چیزوں کا تعلق علم کے ساتھ ہے، ایک عالم اور دوسرا متعلم۔ دینی علم کی برکت ہے کہ یہ دونوں لعنت الٰہی سے محفوظ ہیں، اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ علم کی وجہ سے انسان کس قدر مصائب وتکالیف سے محفوظ ہو جاتا ہے، جیسا کہ اوپر بتایا جاچکا ہے کہ "لعنت" بہت ہی بڑی

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب مثل الدنيا، ج۲، ص۱۳۷۷۔

مصیبتِ بلکہ ہر خیر سے محرومی کا راستہ ہے، اس قدر بڑی تکلیف اور محرومیوں کی اصل واساس سے علم ہی کی بنیاد پر انسان محفوظ رہتا ہے۔ نگاہِ عبرت اور چشمِ بصیرت سے دیکھا جائے تو علم کا تنہا یہ ایک فائدہ ہی بہت کچھ ہے، اگر اس کا کچھ اور فائدہ نہ بھی ہوتا تو بھی تنہا اس ایک فائدہ کی خاطر علم حاصل کرنا ایک ضروری کام ہوتا، چنانچہ دیکھا جائے تو دل کا دورہ پڑنے، کینسر، بلڈ پریشر یا شوگر کے مریض بننے سے بچاؤ کے لئے انسان کس قدر جانی، مالی اور وقتی قربانیاں دیتا ہے، کتنی مشکلات برداشت کرنے پر آمادہ ہوتا ہے! اگر ان جیسے امراض سے سو درجے بڑی مصیبت[1] سے بچاؤ کے لئے انسان علم حاصل کرے تو اس میں کونسی بڑی بات ہے!

گیارہویں حدیث

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ حضرت ثعلبہ بن حکم رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"«يَقُولُ اللهُ - عَزَّ وَجَلَّ - لِلْعُلَمَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِذَا قَعَدَ عَلَى كُرْسِيِّهِ لِفَصْلِ عِبَادِهِ: إِنِّي لَمْ أَجْعَلْ عِلْمِي وَحِلْمِي فِيكُمْ إِلَّا وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَغْفِرَ لَكُمْ عَلَى مَا كَانَ فِيكُمْ وَلَا أُبَالِي» ". رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ، وَرِجَالُهُ مُوَثَّقُونَ.[2]

---

[1] اس لعنت کو بڑی مصیبت قرار دینے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ سابقہ امراض سے زیادہ سے زیادہ انسان مر جاتا ہے، تمام تکالیف وامراض کا آخری ہدف ایک موت ہی ہے، اس کے بعد ان امراض کا کوئی نقصان باقی نہیں رہتا، لیکن لعنت کی وجہ سے انسان کی دنیا وآخرت دونوں متاثر اور برباد ہو جاتے ہیں، وہ نہ دنیا میں کسی معیاری کام کے قابل رہ جاتا ہے اور نہ ہی آخرت کے فوز وفلاح کا مستحق بنتا ہے۔

[2] مجمع الزوائد، کتاب العلم، باب في فضل العلماء ومجالستهم، ج١، ص١٢٦۔

ترجمہ:"جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے اپنی کرسی پر جلوہ افروز ہوں گے تو علماء سے فرمائیں گے کہ: میں نے تم میں اپنا علم اور بردباری اس لیے پیدا کیا تھا کہ میں ان کوتاہیوں کو معاف کردوں جو پہلے سے تم میں موجود تھیں اور میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا"۔

قیامت کے دن عام مغفرت ہو جانا کتنی بڑی نعمت و سعادت ہے؟ یہاں مادی آنکھوں سے اس کا صحیح اندازہ لگانا بھی مشکل ہے، اس کی اہمیت کا کچھ اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ دن بھر میں دسیوں بار مغفرت کی دعاء فرماتے تھے، شریعت نے ہمیں بھی یہ سکھایا ہے کہ کثرت کے ساتھ مغفرت مانگتے رہے، "استغفار" مغفرت مانگنا ہی ہے۔ یہ اہل علم کے لئے بہت ہی بڑی خوش خبری اور عظیم سعادت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی عام مغفرت فرمائیں گے، ان سے اگر کوئی کمی کوتاہیاں بھی ہوئی ہوں تو ان سے بھی درگزر فرمائیں گے۔ اس روایت میں علم کے ساتھ "حلم" کا لفظ بھی آیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اہل علم کے لئے صرف "دانستن" کے معنی میں علم حاصل کرنا کافی نہیں ہے بلکہ ساتھ ساتھ دینی اخلاق و تربیت کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔

بارہویں حدیث شریف

"سنن ترمذی" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

كَانَ أَخَوَانِ عَلَىٰ عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ أَحَدُهُمَا يَأْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالآخَرُ يَحْتَرِفُ، فَشَكَا الْمُحْتَرِفُ أَخَاهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهِ.[1]

---

۱ سنن الترمذي، ابواب الزهد، باب في التوكل على الله، ج٤، ص١٥٢۔

ترجمہ: "عہد نبوی ﷺ میں دو بھائی تھے ایک محنت مزدوری کرتا رہتا جب کہ دوسرا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا، ایک مرتبہ محنت کرنے والے بھائی نے آپ ﷺ سے دوسرے بھائی کی شکایت کی، آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ہوسکتا ہے تمہیں بھی اسی کی وجہ سے رزق ملتا ہو"۔

اس روایت سے واضح ہوجاتا ہے کہ علم کا حاصل کرنا رزق کے معاملے میں رکاوٹ نہیں بنتا بلکہ اس کی وجہ سے رزق کا دروازہ کھلتا ہے[1]۔ رزق ملنے اور دیگر کاموں کے جس طرح ظاہری اور مادی اسباب ہوتے ہیں جن کو انسان دیکھتا، محسوس کرتا ہے، یوں ہی کچھ روحانی اور باطنی قسم کے اسباب بھی ہیں، ان کا بھی اہم کردار ہوتا ہے، کافر شخص صرف ظاہری اسباب ہی پر یقین کرتا ہے جبکہ مسلمان شخص چونکہ غیب پر ایمان لاتا ہے، اس لئے وہ ان ظاہری اسباب کے ساتھ روحانی اسباب پر بھی یقین رکھتا ہے، اس لئے اس کی نظر زیادہ دور رس ہوتی ہے۔ اب رزق حاصل کرنے کا ظاہری سبب تو تجارت کرنا، کھیتی باڑی کرنا اور کوئی پیشہ وغیرہ اختیار کرنا ہے لیکن اس کے روحانی اور باطنی اسباب میں سے ایک اہم سبب وہ ہے جو اس روایت میں ارشاد فرمایا گیا ہے، اسی طرح

---

[1] روایت میں "لعل" کا لفظ ہے جو عام طور پر "ترجّی" کے لئے استعمال ہوتا ہے جو مفیدِ یقین نہیں ہے، یہاں روایت میں بھی دونوں احتمال ہیں لیکن بعض قرائن سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ یہاں "لعل" اس مضمون میں استعمال نہیں ہے، حضرت ملا علی قاری صاحب رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

قال الطيبي - رحمه الله -: ومعنى لعل في قوله لعلك يجوز أن يرجع إلى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فيفيد القطع والتوبيخ، كما ورد: «فهل ترزقون إلا بضعفائكم»، وأن يرجع للمخاطب ليبعثه على التفكر والتأمل فيتصف من نفسه.(مرقاة المفاتيح، كتاب الاداب، باب التوكل والصبر، ج۸، ص۳۳۲۸)

رزق سے محروم ہونے کا ظاہری سبب تو یہ ہے کہ انسان سے چوری ڈاکہ وغیرہ ہو جائے لیکن روحانی سبب یہ ہے کہ وہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔

اس وقت ایک کثیر تعداد ان افراد کی ہے جو اپنے بیٹوں، بھائیوں وغیرہ چھوٹوں کو علم دین کے لئے اس لئے نہیں بھیجتے کہ ایک نوجوان کی کمی کی وجہ سے ان کا روزگار متاثر ہو سکتا ہے، ان کی کمائی میں کمی آسکتی ہے، اور بہت سے افراد اس گمان پر "علم دین" کی اس نعمت سے خود بھی محروم ہوتے ہیں اور اپنے چھوٹوں کو بھی محروم کرواتے ہیں کہ علم حاصل کرے گا تو کھائے گا کہاں سے؟ اس حدیث شریف سے اس کا جواب بھی صاف ہو جاتا ہے کہ علم دین تو ایسی قابل قدر چیز ہے کہ خود عالم یا طالب علم تو کیا کہنا، اس کی برکت سے تو اس شخص کو بھی رزق مل جاتا ہے جو ایسے شخص کی کفالت کرتا ہے۔ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

أي: أرجو أو أخاف أنك مرزوق ببركته لا أنه مرزوق بحرفتك فلا تمنن عليه بصنعتك.[1]

تیرہویں حدیث شریف

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں:

«سَمِعْتُ النَّبِيَّ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَقُولُ: " اغْدُ عَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا أَوْ مُسْتَمِعًا أَوْ مُحِبًّا، وَلَا تَكُنِ الْخَامِسَةَ فَتَهْلِكَ» " قَالَ عَطَاءٌ:

---

[1] مرقاۃ المفاتیح، کتاب الاداب، باب التوکل والصبر، ج۸، ص۳۳۲۸۔

قَالَ لِي مِسْعَرٌ: زِدْتَنَا خَامِسَةً لَمْ تَكُنْ عِنْدَنَا -[قَالَ]: " وَالْخَامِسَةُ أَنْ تُبْغِضَ الْعِلْمَ وَأَهْلَهُ".[۱]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عالم بنو، یا طالب علم بنو، یا ان کو سننے والا بنو، یا ان سے محبت کرنے والا بنو اور پانچواں نہ بنو، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ پانچویں سے مراد علم اور علماء سے بغض رکھنے والا ہے۔

اس روایت سے علم اور اہل علم کی فضیلت واضح ہو رہی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کو دینی علم کے ساتھ تعلق رکھنا چاہیے، چنانچہ یا تو عالم بننا چاہیے، یا طالب علم، نہ ہو تو علم والوں کو سننے والا یا کم از کم محبت کرنے والا بننا ضروری ہے، اگر کوئی ان میں سے کسی نوعیت کا تعلق نہ رکھے بلکہ اہل علم کے ساتھ بغض وعداوت کا تعلق رکھے تو اس کے لئے ہلاکت کی پیش گوئی ہے، ہلاکت کا مطلب صرف حسی طور پر مرنا نہیں ہے بلکہ مقاصد میں ناکامی، آخرت میں خسارہ بھی، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے میں نامرادی مراد ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات علماء کرام کے ساتھ کم از کم پیار محبت کا تعلق رکھنا ضروری ہے، اگر ان سے عملی طور پر علمی استفادہ کرنے کا موقع نہ بھی مل سکے تو بھی دلی محبت و پیار کا تعلق رکھنا ضروری ہے، ورنہ تو ہلاکت اور سخت خسارے کی بات ہے۔

---

[۱] مجمع الزوائد، کتاب العلم، باب فضل العالم و المتعلم، ج۱، ص۱۲۲۔
علامہ ہیثمی رحمہ اللہ اس کو ذکر کرنے کے بعد اس کا درجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الثَّلَاثَةِ وَالْبَزَّارُ، وَرِجَالُهُ مُوَثَّقُونَ.

علم اور علماء کی مذمت و ممانعت کی چند احادیث

علم اور علماء کے جہاں فضائل متعدد روایات میں ذکر ہوئے ہیں، وہی مختلف روایات میں اس کی مذمت اور ممانعت بھی وارد ہوئی ہے، یہاں پہلے اس نوعیت کی چند روایات لکھی جاتی ہیں، اس کے بعد پھر دونوں قسم کی روایات میں جمع و تطبیق کی صورت ذکر کی جائے گی ان شاء اللہ۔

پہلی اور دوسری حدیث شریف

"سنن ابن ماجہ" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ لِتُبَاهُوا بِهِ الْعُلَمَاءَ، وَلَا لِتُمَارُوا بِهِ السُّفَهَاءَ، وَلَا تَخَيَّرُوا بِهِ الْمَجَالِسَ، فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَالنَّارُ النَّارُ»[1]

ترجمہ: "علم اس لئے حاصل نہ کرو کہ علماء کے سامنے اپنی برتری ظاہر کرو، نہ اس لئے کہ جاہلوں سے جھگڑا کرو اور نہ ہی اس لئے کہ مجلسوں میں برتری حاصل کرو، جو شخص ایسا کرے گا، اس کے لئے آگ ہے آگ"۔

اس روایت سے واضح ہوا کہ جو شخص درج بالا تین مقاصد کے لئے علم حاصل کرتا ہے، وہ جہنم جائے گا، یہاں "مَن" کا لفظ لایا گیا اور پھر تاکید کے ساتھ "جہنم کی آگ" کی وعید سنائی گئی، اس کا حاصل یہ ہوا کہ جو بھی شخص یہ کام کرے گا یعنی ان تینوں مقاصد میں سے کسی مقصد کے لئے علم دین حاصل کرے گا، وہ جہنم کا مستحق قرار پائے گا۔

---

۱ سنن ابن ماجه، باب الانتفاع بالعلم والعمل به، ج۱، ص۹۳۔

"سنن ابن ماجہ" ہی میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ، أَوْ لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ، أَوْ لِيَصْرِفَ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ، فَهُوَ فِي النَّارِ».[1]

ترجمہ: "جس نے علم اس لیے حاصل کہ کیا بے وقوفوں کے ساتھ بحث و مباحثہ کرے یا علم والوں کے سامنے اپنی بڑائی حاصل کرے یا لوگوں کے رخ اپنی طرف پھیر دے ، تو وہ جہنم میں جائے گا"۔

علم دین حاصل کرنے کا اصل مقصد دین سمجھنا، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا، دین پر عمل کرنا اور اس کی خدمت کرنا ہے، اب جو شخص ان دینی مقاصد کے علاوہ کسی دنیوی غرض کے لئے علم حاصل کرتا ہے، چاہے وہ دنیا کے مال و دولت کی شکل میں ہو کہ اس کو بہت کچھ مال و دولت نصیب ہو جائے، یا عزت و وجاہت کی صورت میں ہو کہ لوگوں کے دلوں میں اس کا مقام و مرتبہ پیدا ہو، دونوں بہر حال ناجائز ہیں، یہ صرف ایک گناہ ہی نہیں ہے بلکہ درج بالا حدیث میں ایسے شخص کے بارے میں صاف اعلان فرمایا گیا ہے کہ ایسا شخص جہنم میں ہو گا۔

اہل علم کے ہاں یہ ضابطہ طے شدہ ہے کہ جس کام پر نصوص میں جہنم کی وعید ذکر ہو جائے، وہ گناہ کبیرہ ہوتا ہے، اس ضابطہ کے مطابق علم کو اس نیت سے حاصل کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

---

[1] ایضاً۔

تیسری حدیث شریف

"سنن ابی داود" میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغَىٰ بِهِ وَجْهُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا، لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» يَعْنِي رِيحَهَا.[1]

ترجمہ: "جس نے رضائے الٰہی کے علم کو دنیاوی مقصد کے لیے حاصل کیا، تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہیں پائے گا"۔

اس روایت سے واضح ہوا کہ دنیوی اغراض واہداف کے لئے علم دین حاصل کرنا ایسا گناہ ہے جس کی وجہ سے انسان جنت جانے سے محروم ہو جاتا ہے، جنت جانا تو در کنار، اس کی خوشبو محسوس کرنے سے بھی محروم ہو گا حالانکہ اس کی خوشبو بڑی دور تک جا پہنچتی ہے۔

چوتھی حدیث شریف

"صحیح مسلم" میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضور نبی کریم ﷺ کی مختلف دعائیں سکھائی ہے، ان میں سے ایک اہم دعا یہ بھی ہے:

اللهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ، وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ.[2]

ترجمہ: "اے اللہ میں ایسی علم سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں جو نفع بخش نہ ہو، اور ایسے دل سے جو ڈرنے والا نہ ہو"۔

---

[1] سنن ابي داود، كتاب العلم، باب في طلب العلم لغير الله تعالى، ج٣، ص٣٢٢۔

[2] صحيح مسلم، كتاب العلم و الذكر، باب التعوذ من شر ما عمل ومن شر ما لم يعمل، ج٤، ص٢٠٨٨۔

اس روایت میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ غیر نافع علم سے پناہ مانگ رہے ہیں، پناہ مانگنا کراہت اور ناراضگی کی دلیل ہے، معلوم ہوا کہ ایسا علم کم از کم مکروہ ومذموم ہے، اس روایت میں تو اس کی جانب تعرض نہیں فرمایا گیا کہ یہاں کراہت اور مذمت کس درجہ کی ہے؟ تاہم دیگر روایات کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے جیسا کہ "جمع و تطبیق" میں ذکر کردیا جائے گا۔

"سنن ابن ماجہ" میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ یہ دعاء مانگا کرتے تھے:

«اللَّهُمَّ انْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي، وَعَلِّمْنِي مَا يَنْفَعُنِي، وَزِدْنِي عِلْمًا، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ».[1]

ترجمہ: "اے اللہ! جو علم آپ نے مجھے عطا فرمایا اس سے نفع بھی دیجئے اور مجھے ایسے علوم سے نوازے جو میرے لئے نفع بخش ہوں اور میرے علم میں خوب اضافہ فرمادیجئے اور ہر حال میں تمام تعریفیں آپ ہی کے لئے ہیں"۔

"صحیح ابن حبان" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے آپ ﷺ کی یہ دعاء منقول ہے:

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا ينفع".[2]

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ سے نفع بخش علم مانگتا ہوں، اور ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع بخش نہ ہو۔

---

[1] سنن ابن ماجه، باب الانتفاع بالعلم والعمل به، ج۱، ص۹۲.

[2] صحيح ابن حبان، كتاب العلم، ذكر ما يجب على المرء أن يسأل الله جل وعلا، ج۱، ص۲۷۳.

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر علم مطلوب نہیں ہے جس کے حاصل ہونے کی دعاء کی جائے بلکہ دعاء اس علم کی ہونی چاہئے جو نافع ہو۔

پانچویں حدیث شریف

"مجمع الزوائد" میں حضرت ام الفضل اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں ایک رات ارشاد فرمایا:

"وَلَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَتَعَلَّمُونَ فِيهِ الْقُرْآنَ، يَتَعَلَّمُونَهُ وَيَقْرَءُونَهُ، وَيَقُولُونَ: قَدْ قَرَأْنَا وَعَلِمْنَا، فَمَنْ ذَا الَّذِي هُوَ خَيْرٌ مِنَّا؟ فَهَلْ فِي أُولَئِكَ مِنْ ضُرٍّ؟ " قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَنْ أُولَئِكَ؟ قَالَ: " أُولَئِكَ مِنْكُمْ، وَأُولَئِكَ وَقُودُ النَّارِ»[1].

ترجمہ: ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جب لوگ قرآن سیکھیں گے اور اس کو پڑھیں گے، اور پھر فخر سے کہیں گے: "ہم نے قرآن پڑھ لیا اور علم حاصل کر لیا، تو ہم سے بہتر

---

[1] علامہ ہیثمی رحمہ اللہ اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد اس کا درجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، إِلَّا أَنَّ هِنْدَ بِنْتَ الْحَارِثِ الْخَثْعَمِيَّةَ التَّابِعِيَّةَ لَمْ أَرَ مَنْ وَثَّقَهَا وَلَا جَرَّحَهَا. (مجمع الزوائد، كتاب العلم، باب ما يخاف على الأمة من زلة العالم وجدال المنافق وغير ذلك، ج١، ص١٨٦)

یہاں "ہند بنت حارث" کے بارے میں لاواقفیت ظاہر کی گئی لیکن "مجمع الزوائد" میں مذکور ایسے ہی رواۃ کے بارے میں ایک معاصر عالم نے "الفرائد" کے نام سے کتاب لکھی، اس میں ہے:

الفرائد على مجمع الزوائد «ترجمة الرواة الذين لم يعرفهم الحافظ الهيثمي» (ص: ٣٦٩)
٨٠٩ - هند بنت الحارث الخثعمية: قال: لم أر من وثقها ولا جرحها. قلت: وثقها ابن حبان في "الثقات" وترجم لها الحافظ المزي في "تهذيبه" تمييزاً، وذكر لها حديثها هذا.

نیز اسی "مجمع الزوائد" میں اس روایت سے ایک نمبر پہلے ایک اور روایت ذکر ہے، اس میں بھی یہی مضمون ہے، علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے اس کو "طبرانی اور بزار" کے حوالہ سے نقل کر کے لکھا کہ: رجال البزار موثقون"۔

کون ہے؟" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، "کیا ان لوگوں میں کوئی نقصان ہے؟" صحابہ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ، وہ کون لوگ ہوں گے؟" آپ نے فرمایا، "وہ لوگ تم میں سے ہی ہوں گے، اور وہی جہنم کی آگ کا ایندھن ہوں گے۔"

اس روایت میں بعض علم رکھنے والوں کے لئے بڑی سخت وعید ارشاد فرمائی گئی ہے کہ وہ جہنم کی ایندھن ہوں گے، جہنم میں داخل ہونا اور وہاں کا عذاب چکھنا الگ چیز ہے اور وہاں کا ایندھن بننا الگ ہے، جن علم والوں کا اس روایت میں ذکر ہے، وہ عام گناہ گار افراد کی طرح صرف جہنم میں داخل نہیں ہوں گے بلکہ وہاں کا ایندھن بنیں گے، یہ بڑی سخت وعید ہے۔

اس روایت سے ان علم والوں کی غلطی اور ان کا جرم بھی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ عجب، کبر اور ریاء کے گناہوں میں ملوث ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ اور ثواب کا تعلق صرف ظاہری اعمال کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اخلاق وعادات کے ساتھ بھی اس کا گہرا تعلق ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ "علم نافع" کے لئے صرف ظاہری اعمال کی درستگی کافی نہیں ہے بلکہ پورے دین پر چلنا اور چلتے رہنا ضروری ہے جن میں دل کے اخلاق بھی داخل ہیں، لہٰذا کوئی عالم نماز، روزہ وغیرہ اعمال وعبادات کا پابند بھی ہو لیکن جب تک اس کی اندرونی اصلاح نہیں ہوتی اور علم کے تمام ضروری تقاضوں پر عمل نہیں ہو پاتا، تب تک وہ "علم نافع" کا حامل شمار نہیں ہوگا۔

چھٹی حدیث شریف

"سنن ابی داؤد" میں حضرت بُریدۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إن من البيانِ سِحراً، وإن من العلِم جَهْلاً".[1]

ترجمہ: "بلاشبہ بعض بیان جادو ہے اور بعض علم جہالت ہے"۔

اس روایت کے مطابق علم کا کچھ حصہ وہ ہے جو شریعت کی نظر میں جہل (کے برابر) ہے۔ اس سے یہ بات تو بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ شریعت کی نظر میں "علم" صرف جاننے اور "دانستن" کا نام نہیں ہے، ورنہ تو علم کو جہل کہنا کہاں درست ہو سکتا ہے! اس معنیٰ میں علم اور جہل باہم متضاد ہے تو دو متضاد چیزوں میں سے ایک کا دوسرے پر اطلاق کہاں درست ہو سکتا ہے! البتہ اس علم سے کیا مراد ہے جس کو یہاں جہل قرار دیا گیا ہے؟ اس میں محدثین کرام کی آراء مختلف ہیں، متعدد اہل علم کی تحقیق کے مطابق اس سے بے عمل علم (بھی) مراد ہے، اگر کوئی شخص دین کا کوئی مسئلہ جانتا تو ہے لیکن موقع آتے وقت عمل اس کے خلاف کرتا ہے تو شریعت کی نظر میں ایسا علم علم نہیں ہے بلکہ جہل ہے۔

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں؛

وقيل: هو أن لا يعمل بعلمه فيكون ترك العمل بالعلم جهلا، ومصدقه قوله تعالى: ﴿مثل الذين حملوا التوراة ثم لم يحملوها كمثل الحمار يحمل أسفارا﴾ قلت: ويؤيده أيضا قوله تعالى: ﴿إنما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة﴾ ففي معالم التنزيل

---

[1] سنن أبي داود، أول كتاب الادب، باب ما جاء في الشعر، ج٢، ص٣٠٥-

قال قتادة: أجمع أصحاب النبي على أن كل ما عصي به الله فهو جهالة عمدا كان أو لم يكن، وكل من عصى الله فهو جاهل.[1]

ترجمہ: "بعض حضرات کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ: علم پر عمل نہ کرے۔ علم پر عمل نہ کرنا جہالت ہے۔ اس کی تصدیق (تائید) باری تعالی کے اس ارشاد گرامی سے بھی ہوتی ہے کہ: "ان لوگوں کی مثال جنہیں تورات اٹھوائی گئی پھر انہوں نے اسے نہ اٹھایا گدھے کی سی مثال ہے جو کتابیں اٹھاتا ہے"۔ نیز باری تعالی کے اس ارشاد گرامی سے بھی: "اللہ پر توبہ قبول کرنے کا حق انہیں لوگوں کے لیے ہے جو جہالت کی وجہ سے برا کام کرتے ہیں"۔ تفسیر معالم التنزیل میں حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ: تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس کام میں بھی خدا تعالی کی نافرمانی کا ارتکاب کیا جائے تو وہ جہالت ہی شمار ہوتی ہے خواہ وہ قصدا ہو یا نہ ہو اور جو شخص خدا تعالی کی نافرمانی کا ارتکاب کرے دراصل وہ جاہل ہے"۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا قول آگے آرہا ہے کہ:

لَا يَكُونُ الرَّجُلُ عَالِمًا حَتَّى يَكُونَ بِهِ عَامِلًا.

ترجمہ: "کوئی بندہ اس وقت تک عالم کہلانے کے قابل نہیں جب تک وہ اپنے علم پر عمل نہ کرتا ہے"۔

فضیلت اور مذمت والی نصوص کا محمل

یہاں تک علم اور حضرات علماء کرام کے متعلق دو قسم کے نصوص ذکر کیے گئے ہیں، بعض میں عظیم فضائل اور بڑے اجر و ثواب کا ذکر ہے جبکہ بعض اس پر مذمت

---

١ مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب البيان والشعر، ج٧، ص٣٠٢٢-

اور بعض میں سخت وعید بھی آئی ہے، دونوں میں اگرچہ ظاہری اور سرسری طور پر کچھ تعارض سا نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں کوئی تعارض نہیں۔

دونوں قسم کی نصوص کا محمل جدا جدا ہے، فضیلت والے نصوص کا محمل "علم نافع" ہے جبکہ وعید اور مذمت والی نصوص کا مصداق "علم غیر نافع" ہے۔

علم نافع اور غیر نافع کا مفہوم اور پہچان

رہا یہ سوال کہ علم نافع کیا ہے اور علم غیر نافع سے کیا مراد ہے؟ اس سوال کو دوسرے الفاظ میں یوں بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ نافع کا معنی تو نفع دینے والا ہے، اب یہ علم کس کو کس طرح نفع دے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز کے نفع کی صورت مختلف ہوتی ہے، چنانچہ ٹوپی کا جو نفع ہے وہ عینک کا نہیں ہے، لباس وپوشاک کا جو نفع ہے وہ جوتے کا نہیں ہے، کھانے پینے کی چیزوں کا جو نفع ہے وہ کتابوں اور قلم کا نہیں ہے، ہر چیز کا نفع اس کے اپنے حساب سے ہوتا ہے، دینی علم کا نفع یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے، عمل کرنے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور قربت بھی پیدا ہو جائے گی اور دنیا وآخرت بھی سنور جائیں گے، لہٰذا "علم نافع" کا مصداق وہ علم ہے جو باعمل ہو، جاننے والا شخص اس کو صرف جاننے تک ہی محدود نہ رکھے بلکہ اس کے تقاضوں پر عمل کرے، اپنی زندگی اس کے سانچے میں ڈھالے، علم کے تقاضوں پر عمل کرنے کے لئے اپنی خواہشات اور مادی مفادات کو قربان کرے۔

پھر دینی احکام ومسائل کا تعلق صرف فرد کے شخصی زندگی کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اس کی ضروری احکام میں سے ایک یہ بھی کہ دیگر بنی آدم کو راہِ راست پر لانے اور سیدھی راہ پر چلانے کے لئے کوشش کی جائے، چنانچہ "امر بالمعروف" اور "نہی عن

المنکر" کے متعلق بیسیوں نصوص ہیں، اس لئے اگر کوئی شخص صرف اپنی ہی اصلاح پر اکتفاء کرتا ہے تو اس کا علم بھی درست معنی میں "علم نافع" نہیں ہے کیونکہ وہاں کم از کم امر بالمعروف والے نصوص کے علم پر عمل نہیں کر رہا، اور اس حد تک اس کا علم نافع نہیں ہے۔

اس جمع و تطبیق کی بنیاد

اس جمع و تطبیق کی بنیاد خود یہ درج بالا روایات اور ان کا اصولی مطالعہ ہے، چنانچہ فضیلت والے نصوص میں علم کی فضیلت مذکور ہے اور مزید اس کے ساتھ کوئی قید نہیں ہے جبکہ مذمت والی نصوص میں علم کے ساتھ غیر اخلاص یا غیر نافع کی قید ہے، ایسے موقع پر قید ہی کی مذمت و کراہت مقصود ہوتی ہے، اس سے دونوں قسم کی حقیقت اور ان کے مصداق کا صاف علم ہو جاتا ہے۔

سلف اور ائمہ اہل علم کے اقوال

یہی وجہ ہے کہ متعدد اہل علم نے اس کی صراحت بھی فرمائی ہے کہ "علم نافع" ہی وہ علم ہے جس پر اجر و فضیلت کا وعدہ ہے، جہاں تک علم غیر نافع ہے تو اس پر اجر و فضیلت کا وعدہ نہیں ہے بلکہ نصوص کی روشنی میں ایسا علم مذموم ہے، چنانچہ امام دارمی رحمہ اللہ مشہور صحابی عالم حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

«لَا تَكُونُ عَالِمًا حَتَّىٰ تَكُونَ مُتَعَلِّمًا، وَلَا تَكُونُ بِالْعِلْمِ عَالِمًا حَتَّىٰ تَكُونَ بِهِ عَامِلًا.»[1]

---

[1] سنن الدارمي، باب من قال: العلم: الخشية وتقوى الله، ج١، ص٣٣٦-

ترجمہ: "طالب علم بنے بغیر آپ عالم نہیں بن سکتے، اور آپ تب تک عالم کہلانے کے قابل نہیں جب تک اس پر عمل نہ کرے"۔

حضرت سفیان رحمہ اللہ سے بہت کام کی بات نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

كَانَ يُقَالُ: " اَلْعُلَمَاءُ ثَلَاثَةٌ: عَالِمٌ بِاللهِ يَخْشَى اللهَ لَيْسَ بِعَالِمٍ بِأَمْرِ اللهِ، وَعَالِمٌ بِاللهِ عَالِمٌ بِأَمْرِ اللهِ يَخْشَى اللهَ، فَذَاكَ الْعَالِمُ الْكَامِلُ، وَعَالِمٌ بِأَمْرِ اللهِ لَيْسَ بِعَالِمٍ بِاللهِ لَا يَخْشَى اللهَ، فَذَلِكَ الْعَالِمُ الْفَاجِرُ ".[1]

ترجمہ: "بزرگان دین کہا کرتے تھے کہ: علماء کی تین قسمیں ہیں: جسے اللہ کی معرفت حاصل ہو مگر احکام خداوندی سے واقف نہ ہو۔ دوسرا عالم وہ ہے جسے معرفت خداوندی اور احکام خداوندی کے ساتھ ساتھ اللہ کی خشیت بھی نصیب ہو، یہی کامل عالم ہے۔ تیسرا عالم وہ ہے جو احکام خداوندی سے باخبر ہو، مگر اسے معرفت خداوندی حاصل نہ ہو، نہ وہ خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہو، وہ فاجر عالم ہے"۔

اس کے بعد حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا ملفوظ نقل کیا ہے کہ:

" اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ: فَعِلْمٌ فِي الْقَلْبِ فَذَلِكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ، وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ فَذَلِكَ حُجَّةُ اللهِ عَلَى ابْنِ آدَمَ ".[2]

ترجمہ: "علم دو طرح کے ہیں: وہ علم جو دل میں ہو (دل پر اثر کرے) یہی علم نافع ہے۔ دوسرا علم وہ ہے جو زبان پر ہو یہ بندہ پر خدا تعالیٰ کی حجت ہے"۔

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے علم نافع وغیر نافع اور سلف کے علوم کی فضیلت پر مشتمل ایک مفید رسالہ تحریر فرمایا ہے، اس کی ابتداء میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

---

١ سنن الدارمي، بَابُ مَنْ قَالَ: الْعِلْمُ: الْخَشْيَةُ وَتَقْوَى اللّٰهِ، ج١، ص٣٧٢-

٢ ايضاً-

قد ذكر الله -تعالى- في كتابه العِلْم تارة في مقام المدح، وهو العِلْم النافع، وذكر العِلْم تارة في مقام الذم، وهو العِلْم الَّذِي لا ينفع.[1]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے بعض جگہ قرآن مجید میں علم، مدح کے موقع پر ذکر کیا ہے دراصل یہی علم نافع ہے۔ اور بعض جگہ مذمت کی جگہ اس کا تذکرہ فرمایا ہے وہی علم غیر نافع ہے"۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ "جامع ترمذی" کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

وأما فضل العلم من جهة الشرع فإنما كان لكونه قربة إلى الله تعالى ومقتضيا لثوابه، وموجبا لخشيته...وعلم لا يؤدي إلى مقصود شرعي فليس هو العلم النافع الذي به يستحق العالم التفضيل الشرعي.[2]

ترجمہ: "شرعاً علم کی فضیلت اس وجہ سے ہے کہ: وہ قربت خداوندی کا ذریعہ اور ثواب کے حصول کا وسیلہ ہے، خدا تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا کرتا ہے۔ جو علم اس مقصد کے حصول کا ذریعہ نہ ہو وہ علم نافع نہیں جس کی وجہ سے بندہ شرعی فضیلت کا مستحق ہوتا ہے"۔

علم کی فضیلت واہمیت کے بارے میں حضرت مجدد کی تحقیق

حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ کو حضرت شیخ فرید بخاری صاحب رحمہ اللہ نے ایک خط بھیجا جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ: "طالب علموں اور صوفیوں کے لئے کچھ خرچ بھیجا

---

[1] مجموع رسائل، ج۲، ص۷۔

[2] قوت المغتذي، المقدمة، ابواب العلم، ج۲، ص۶۷۹۔

گیا ہے "اس میں "طالب علم" کو "صوفیوں" سے پہلے لکھا ہے، حضرت مجدد صاحب اس سے خوش ہوتے ہیں اور اس کی داد دیتے ہیں، تحریر فرماتے ہیں:

"طالب علموں کے مقدم کرنے میں شریعت کو رواج دینا ہے (کیونکہ) شریعت کو اٹھانے اور قائم کرنے والے یہی لوگ ہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات کا مذہب و ملت انہی کے ساتھ قائم ہے، کل قیامت کے روز شریعت کے بابت پوچھیں گے تصوف کے متعلق نہیں پوچھیں گے، جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت کے احکام بجالانے پر منحصر ہے۔

انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیہم نے جو کہ تمام کائنات میں سب سے بہتر ہیں (اپنی اپنی) شریعتوں کی طرف دعوت دی ہیں، اور نجات کا انحصار اسی پر رہا ہے اور ان بزرگوں کی پیدائش سے مقصود شریعتوں کی تبلیغ ہے پس سب سے بڑی نیکی شریعتوں کے رواج دینے اور اس کے حکموں میں سے کسی حکم کے زندہ کرنے میں کوشش کرنا ہے خصوصاً اس زمانے میں جبکہ اسلامی شعائر (نشانات وارکان) بالکل مٹ گئے ہوں۔

اللہ تعالیٰ عزوجل کے راستہ میں کروڑوں روپیہ خرچ کرنا بھی شرعی مسائل میں سے کسی ایک مسئلہ کو رواج دینے کے برابر نہیں ہے کیونکہ اس فعل (شرعی مسائل کی ترویج) میں انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی اقتدا (پیروی کرنا) ہے جو کہ مخلوقات میں سب سے زیادہ بزرگ ہیں اور اس فعل میں ان بزرگوں کے ساتھ شریک ہونا ہے، اور یہ بات ثابت ہے کہ سب سے کامل نیکیاں انہی بزرگوں کو عطا ہوئی ہیں اور کروڑوں روپیہ خرچ کرنا تو ان بزرگوں کے علاوہ دوسروں کو بھی میسر ہے۔

اور ایک (دلیل) یہ بھی ہے کہ احکام شریعت کو بجالانے میں نفس کی پوری پوری مخالفت ہوتی ہے کیونکہ شریعت نفس کے مخالف وارد ہوئی اور اموال کے خرچ کرنے میں تو کبھی نفس بھی موافقت کرلیتا ہے ہاں البتہ اموال کا خرچ کرنا اگر شریعت کی تائید

اور مذہب کی ترویج کے لیے ہو تو اس کا بہت بڑا درجہ ہے اور اس نیت کے ساتھ ایک جیتل (دام) کا خرچ کرنا کسی اور نیت سے کئی لاکھ (روپیہ) خرچ کرنے کے برابر ہے۔"

بسا اوقات یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ کوئی طالب علم کسی نامناسب باتوں میں گرفتار ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ماسوی میں وہ پھنس جاتا ہے، جبکہ صوفیائے کرام عام طور پر ان جیسے جالوں سے محفوظ ہوتے ہیں، تو اس کے باوجود طالب علم کیوں کر صوفی سے مقدم ہو سکتا ہے! یہ اشکال اور اس کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"یہاں کوئی یہ سوال نہ کرے کہ (ماسوی اللہ میں) گرفتار طالب علم (ماسوی اللہ سے) آزاد صوفی سے کس طرح مقدم ہو گا؟ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس (سائل) نے بات کی حقیقت کو حاصل نہیں کیا اور طالب علم باوجود (ماسوی اللہ میں

اگرچہ وہ خود اس سے نفع نہیں اٹھاتا اور صوفی نے (ماسوی اللہ سے) آزدی کے باوجود نفس کو خلاص کیا ہے (اس لیے) خلقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہا ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ جس شخص کے ساتھ بکثرت لوگوں کی نجات وابستہ ہو وہ اس شخص سے بہتر ہے جو صرف اپنے نجات کے درپے ہو۔ ہاں البتہ جس صوفی کو فناوبقا اور سیر عن اللہ و باللہ کے بعد دنیا (مخلوق) کی طرف لوٹا دیا گیا ہو اور خلقت کی دعوت (یعنی مخلوق کو راہ راست کی طرف لانے کا فریضہ انجام دینے) کے مقام میں لے آئے ہوں، اس کو مقام نبوت سے حصہ حاصل ہے اور شریعت کی تبلیغ کرنے والوں میں داخل ہے وہ بھی علمائے

بڑے فضل والا ہے۔"[1]

علم کے فضائل وفوائد ایک نظر میں

۱: اچھی نیت سے علم حاصل کرنا بجائے خود عبادت ہے۔

۲: اس راہ میں مال خرچ کرنا بھی عبادت ہے۔

۳: یہی دینی علم ہی وہ قیمتی سرمایہ ہے جس کی بدولت انسان کے عقائد و نظریات، اخلاق وعادات، اعمال وافعال درست ہوسکتے ہیں، ان تمام میدانوں میں دینی تعلیمات کی پابندی کی توفیق نصیب ہوسکتی ہے، ان باتوں سے متعلق موٹے موٹے مسائل جاننے کے لئے تو باقاعدہ عالم بننے کی ضرورت نہیں ہے تاہم قدم قدم پر ایسے دسیوں مرحلے آتے ہیں جہاں مضبوط علم کے بغیر دینی تقاضے پر چلنا حد درجہ دشوار ہوتا ہے، اس کا درست اندازہ وہی آدمی کرسکتا ہے جس نے کبھی فکرمندی سے تطبیق نظر سے اس کا جائزہ لیا ہو۔

۴: علم کے فضائل سے متعلق جو روایات ذکر کی گئیں ہیں، ان میں صراحت ہے کہ عالم کے لئے مختلف مخلوقات استغفار کرتے ہیں، ان میں یہ بھی صراحت ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ علماء کو بھلا کر کوتاہیوں اور تقصیرات کے باوجود ان کی مغفرت فرمائیں گے، یہ دونوں باتیں "علم" کے ایسے فوائد میں سے ہیں جن کے حاصل کرنے کے لئے اگر پوری زندگی کی قربانی دی جائے تو بھی کم ہے۔ پہلے باب کے فضائل کی احادیث کی تشریح میں وضاحت کے ساتھ یہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ مغفرت بہت بڑی نعمت

---

[1] مکتوبات مجدد الف ثانی، مکتوب نمبر ۴۸، ج:۱، ص:۲۴۷ تا ۲۵۰، ترجمہ حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ۔

، سعادت اور آخرت کی تمام کامیابیوں کی دہلیز ہے، جس خوش نصیب کو مغفرت نصیب ہو جاتی ہے، اس کو آخرت کی تمام کامرانیاں نصیب ہوں گی۔

اب روایات کی روشنی میں جب "علم دین" کا حاصل کرنا اور عالم دین بننا اس عظیم نعمت کے حاصل کرنے کا قوی تر راستہ ہے تو اس سے بڑھ کر فائدے اور سعادت کی بات کیا ہو سکتی ہے!

۵: علم دین کے حاصل کرنے اور سکھانے کی اجر و فضیلت زیادہ ہے جیسا کہ پہلے باب میں ذکر کیا جا چکا ہے، علم دین کا اجر و ثواب دیگر نیکیوں کی طرح محدود نہیں ہوتا بلکہ "متعدی" ہوتا ہے، اس کا اثر دیگر معاشرے کو بھی پہنچتا ہے۔

۶: علم دین کا حاصل کرنا عزت اور بلند مرتبہ کا باعث ہے۔

۷: علم کی خدمت کرنا، چاہے لوگوں کو زبانی سکھانے کی صورت میں ہو، تصنیف و تالیف کی شکل میں ہو یا رجالِ کار پیدا کرنے کی صورت میں ہو، صدقہ جاریہ کا باعث ہے، تمام نیکیوں کا ثواب اسی وقت تک ملتا ہے جب تک نیکی ہوتی رہے، چند ہی ایسی باتیں ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کو ان کا ثواب پہنچتا رہتا ہے، ان میں سے ایک اہم تر چیز "علم دین" کی خدمت بھی ہے۔

۸: علم دین سے اگر صحیح طریقے سے کام لیا جائے تو اس کے باعث انسان کے رعب و ہیبت میں بھی اضافہ ہوتا ہے، اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کی بہت سی زیادتیوں سے حفاظت ہو جاتی ہے۔

شیخ حماد بن سلمہ کا ایک سبق آموز واقعہ

علامہ ابن مفلح مقدسی رحمہ اللہ نے اس سے متعلق ایک دلچسپ قصہ لکھا ہے کہ بصرہ کے امیر محمد بن سلیمان نے مشہور محدث شیخ حماد بن سلمہ (رحمہ اللہ) کو کہلا بھیجا

کہ مجھے آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا ہے، آپ میرے پاس آجایئے، شیخ حماد نے معذرت کی کہ یہ علماء کا طریقہ نہیں ہے، آپ نے پوچھنا ہے تو آپ خود ہی آکر پوچھ لے۔ امیر نے آکر مسئلہ پوچھا اور پھر شیخ سے ایک عجیب سوال کیا، سوال یہ کیا کہ جب میں آپ کی طرف دیکھتا ہوں تو سخت مرعوب ہوتا ہوں، اس کی کیا وجہ ہے؟ شیخ نے جواب دیا کہ میں نے حضرت ثابت بنانی (رحمہ اللہ) سے سنا ہے انہوں نے حضرت انس اور انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ:

«إِنَّ الْعَالِمَ إِذَا أَرَادَ بِعِلْمِهِ وَجْهَ اللهِ هَابَهُ كُلُّ شَيْءٍ، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُكْثِرَ بِهِ الْكُنُوزَ هَابَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ»

ترجمہ: "عالم جب اپنے علم سے اللہ تعالی کی رضا چاہتا ہے تو اس سے ہر چیز ڈرتی ہے اور اگر علم کے ذریعے مال زیادہ کرنے کی چاہت رکھتا ہے تو وہ ہر چیز سے ڈرتا ہے"۔

آخر میں امیر نے چالیس ہزار دراہم (۴۰۰۰۰) پیش کئے لیکن شیخ نے قبول نہیں فرمائے۔[1]

علم غیر نافع کی عصری بہتات

اس دور میں جہاں دیگر معاصی و منکرات کی بہتات ہے، دین داری اور طاعات کی کمی اور بہت کمی ہے، یوں ہی اس خاص آفت (علم غیر نافع) کی بھی خوب بہتات ہے اور اس خاص طاعت (علم نافع) کی بہت کمی ہے۔

کسی دانا نے کیا خوب ترجمانی کی ہے:

دل میں، جگر میں، سینے میں، پہلو میں درد ہے
اے چارہ گر! بتا کہ بتاؤں کہاں کہاں؟

---

[1] الآداب الشرعية والمنح المرعية ج۲،ص۰۰

علم غیر نافع کی دو نمایاں صورتیں

اس کی تفصیل یہ ہے کہ علم غیر نافع کی دو بڑی صورتیں ہیں:

۱: کسی دنیوی مقصد کے لئے دین کا علم حاصل کیا جائے۔

۲: دین کا علم تو حاصل کر لیا جائے لیکن اس کے مطابق عمل نہ کیا جائے۔

پہلی صورت کے عام ہونے کی وجہ

عصری اداروں اور حکومتی نظام میں اس کی مانگ کی وجہ سے یہ پہلی صورت بہت عام ہوئی، لوگ وہاں جاکر علم دین کے مختلف کورس پڑھتے ہیں، ان میں سے اکثریت کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ ڈگری حاصل کر کے مستقبل میں ملازمت وغیرہ حاصل کر لوں یا معاشرے میں نام ومقام پیدا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ عصری اداروں کا عمومی ماحول ہی بے دینی کا ہوتا ہے، بے پردگی اور بے حجابی وغیرہ کا ایسا راج ہوتا ہے کہ کوئی بچنا بھی چاہے تو دشوار ہوتا ہے۔

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ دنیوی مقاصد کے لئے علم دین حاصل کرنا شرعاً مذموم ہے، اور مذمت بھی اس درجہ کی جس پر احادیث مبارکہ میں جنت بلکہ اس کی خوشبو سونگھنے تک سے محرومی کی وعید سنائی گئی ہے اور یہ ضابطہ طے ہے کہ جس جرم پر قرآن وحدیث میں ایسی وعید وارد ہوئی ہو، وہ کبیرہ گناہ ہوتا ہے۔

"سنن ابی داؤد" میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا، لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» يَعْنِي رِيحَهَا.[1]

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس علم سے غرض صرف رضائے الٰہی کی طلب ہے تو جو شخص اسے دنیاوی اغراض کے لئے حاصل کرے تو وہ قیامت کے دن جنت کی ہوا بھی نہیں پائے گا"۔

علامہ کاتب چلپی کا نفیس نکتہ

علامہ کاتب چلپی رحمہ اللہ نے اس حوالہ سے "علماء ماوراء النہر" کا عجیب تاثر وتجربہ نقل فرمایا ہے، وہ "کشف الظنون" پر اپنے مفید مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں:

ومنها: أن يقصد بالعلم غير غايته، كمن يتعلم علما للمال، أو الجاه، فالعلوم ليس الغرض منها: الاكتساب، بل الاطلاع على الحقائق، وتهذيب الأخلاق، على أنه من تعلم علما للاحتراف، لم يأت عالما، إنما جاء شبيها بالعلماء. ولقد كوشف علماء ما وراء النهر بهذا الأمر، ونطقوا به، لما بلغهم بناء المدارس ببغداد، أقاموا مأتم العلم، وقالوا: كان يشتغل به أرباب الهمم العلية، والأنفس الزكية، الذين يقصدون العلم لشرفه، والكمال به، فيأتون علماء ينتفع بهم وبعلمهم، وإذا صار عليه أجرة تدانى إليه الأخسّاء، وأرباب

---

[1] سنن ابي داود، كتاب العلم، باب في طلب العلم لغير الله تعالى، ج۲، ص۳۲۳۔

الكسل، فيكون سببا لارتفاعه، ومن ها هنا هجرت علوم الحكمة، وإن كانت شريفة لذاتها.[۱]

ترجمہ:"(ضیاع علم کے اسباب میں سے ایک علم کے ذریعے دنیا کمانا بھی ہے) علم کے ذریعے مال یا جاہ طلب کرنا غیر مقصود کو طلب کرنا ہے، کیونکہ علوم کا مقصد مال کمانا نہیں۔ علم کا مقصد حقائق پر مطلع ہونا، اخلاق سنوارنا ہے۔ چنانچہ جو بندہ علم دین کسب معاش کے لیے حاصل کرے تو وہ عالم نہیں کہلاتا، بلکہ وہ صرف ظاہراً علماء کے مشابہ ہوتا ہے۔ علماء ماوراء النہر اس حقیقت پر مطلع ہوئے اور انہوں نے اس کا تذکرہ بھی فرمایا، جب انہیں بغداد میں مدارس کی تعمیر کا علم ہوا تو انہوں نے علم کے ضائع ہونے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: پہلے عالی ہمت اور قدسی نفوس لوگ علم حاصل کرتے جنہوں نے علم اس کی فضیلت اور کمال کو مد نظر رکھتے ہوئے حاصل کیا، وہ علماء بن کر لوٹتے جن کے علم سے اور قدسی نفوس سے لوگ فائدہ اٹھاتے۔ پھر جب یہ کمائی کا ذریعہ بنا تو بے کار اور سست لوگ اس پر ٹوٹ پڑے تو یہ علم کے ختم ہونے کا سبب بنا، لہذا بذات خود مفید اور بہتر ہونے کے باوجود علوم حکمت کی طرف توجہ یہاں سے ختم ہوئی"۔

دوسری صورت کے عام ہونے کی وجہ

جہاں تک "علم غیر نافع" کی درج بالا دوسری صورت ہے تو موجودہ دین بےزار ماحول اور لادین سیاست و حکومت کی وجہ سے اس کی بھی بہتات ہے، معاشرے میں دینی اقدار کی کوئی فکر ہے نہ دینی واخروی امور کی جانب کوئی قابل ذکر التفات واہتمام۔ اس کی وجہ سے صورت حال یہ بن چکی ہے کہ جن لوگوں کی نیت درست ہوتی

---

۱ كشف الظنون، المقدمة، القسم الرابع: هو ما يندفع بالعلم من المضار الدنيوية، ج۱، ص۲۱۔

ہے اور وہ اپنے علم پر عمل کرنا چاہتے بھی ہیں لیکن یہ دینی جذبات ان کے دل وجان میں زیادہ راسخ نہیں ہوپاتے، دل ودماغ کا اچھی طرح تصفیہ وتزکیہ نہیں ہوا ہوتا، اس لئے اس مادیت زدہ ماحول میں کچھ وقت تک رہتے ہی یہ جذبات ماند پڑجاتے ہیں اور کچھ عرصہ بعد ایسے لوگ بھی علم کے تقاضوں پر عمل کرنے کی نعمت وسعادت سے محروم ہوجاتے ہیں۔

بے عمل علماء اور ان کے ساتھ مناسب طرزِ عمل

کونسا عالم باعمل ہے اور کونسا بے عمل؟ ظاہر ہے کہ اس کا فیصلہ کرنا عام مسلمانوں کا کام نہیں ہے، بلکہ اہل علم ہی کا کام ہے، وہی کسی کے بارے میں بصیرت کے ساتھ یہ فیصلہ کرسکتے ہیں کہ باعمل ہے یا بے عمل۔ اس وقت بہت سے لوگوں کا کام یہ ہے کہ جس عالم سے جہاں کوئی ناراضگی پیش آجاتی ہے تو فوراً اس کو بے عمل عالم یا علماءِ سوء میں سے شمار کرنا شروع کرتے ہیں، یہ سخت غلطی اور خطرناک اقدام ہے۔

بہرحال جن لوگوں کے بارے میں مستند علماء کرام یہ فیصلہ کریں کہ وہ بے عمل عالم ہے تو اس کے بارے میں عام مسلمانوں کے لئے مناسب طرزِ عمل یہ ہے کہ:

ا: جس طرح دیگر مسلمان بھائیوں کے لئے خیر خواہی کے جذبات رکھنے کا حکم ہے، یوں ہی ایسے عالم کے بارے میں بھی خیر خواہی کے جذبات دل میں رکھے، اسی خیر خواہی کا ایک ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ دل سے اس کے لئے ہدایت کی دعائیں کرتے رہیں، نیک راہ پر چلنے میں اس کے ساتھ تعاون کرتے رہیں، برے کاموں میں ان کے مددگار نہ ہوں۔

۲: اس کے حرکات و سکنات کو زیادہ اہمیت نہ دیں، اس کے کاموں کو "علماء کرام" کی طرف منسوب نہ کریں، اگر وہ کوئی غلطی کرتا ہے یا اس سے کوئی گناہ وغیرہ صادر ہوتا ہے تو سب علماء کرام کی جانب اس کی نسبت نہ کریں اور محض ان جیسے چند افراد کی وجہ سے پوری جماعت سے بد ظن نہ ہوں۔

۳: ایسے شخص کی بات مانی جائے اور اس کی بات کا اعتبار کیا جائے یا نہیں؟ اس میں یہ تفصیل ہے کہ مستند اہل علم سے ان کا حال دریافت کیا جائے، اگر ان کی تحقیق کے مطابق (معاذ اللہ) اس شخص کی بد عملی اس حد تک ہو کہ بات کرنے اور مسئلہ بتانے میں بھی بے عملی یا بد عملی کا شکار ہو تب تو اس سے مسئلہ پوچھا جائے نہ اس کی بات کا کوئی اعتبار کیا جائے اور اگر بد عملی اس حد تک نہ پہنچی ہو بلکہ صرف ذاتی زندگی اور ذاتی اعمال ہی کے متعلق بے راہ روی کا شکار ہو[1]، باقی مسئلہ بتانے اور دین کی بات کرنے میں احتیاط سے کام لیتا ہو تو اس حد تک استفادہ کرنے میں فی نفسہ مضائقہ نہیں، تاہم چونکہ اس میں متعدد خطرات کا امکان ہوتا ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ علمائے صالحین ہی سے اپنی تمام تر دینی ضروریات پوری کی جائے اور اسی پر قناعت اختیار کی جائے۔

امام خلیل بن احمد رحمہ اللہ کا شعر ہے:

اعمل بعلمي وإن قصرت في عملي ... ينفعك علمي ولا يضررك تقصيري[2]

---

[1] حاصل یہ ہے کہ علماء سوء کے مختلف احوال و درجات ہو سکتے ہیں، کوئی ذاتی حد تک "سوء" میں مبتلا ہوتا ہے تو کوئی افادہ عام میں بھی اس کا ارتکاب کرتا ہے، لہٰذا دیگر تمام باتوں کی طرح اس باب میں بھی مستند اور با عمل اہل علم ہی کی طرف مراجعت کرنا ضروری ہے۔

[2] جامع بيان العلم وفضله ج۱، ص۲۹۰۔

ترجمہ:"میرے علم پر عمل کرو اگرچہ میری عمل میں کوتاہی ہے، میرا علم آپ کو نفع دے گا اور میری کوتاہی آپ کو نقصان نہیں دے گی"۔

علامہ ابن مفلح رحمہ اللہ اپنی مفید کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

وَلَمَّا حَجَّ سَالِمٌ الْخَوَّاصُ لَقِيَ ابْنَ عُيَيْنَةَ فِي السُّوقِ فَأَنْكَرَ عَلَيْهِ كَوْنَهُ فِي السُّوقِ فَأَنْشَدَ ابْنُ عُيَيْنَةَ:

خُذْ بِعِلْمِي وَإِنْ قَصَّرْتُ فِي عَمَلِي ... يَنْفَعْكَ عِلْمِي وَلَا يَضْرُرْكَ تَقْصِيرِي

وَأَمَّا قَوْلُ بَعْضِ الْمُتَأَخِّرِينَ:

خُذْ مِنْ عُلُومِي وَلَا تَنْظُرْ إِلَىٰ عَمَلِي ... وَاقْصِدْ بِذَلِكَ وَجْهَ الْوَاحِدِ الْبَارِي

وَإِنْ مَرَرْتَ بِأَشْجَارٍ لَهَا ثَمَرٌ ... فَاجْنِ الثِّمَارَ وَخَلِّ الْعُودَ لِلنَّارِ

فَالْمُرَادُ إِذَا كَانَ أَهْلًا لِأَخْذِ الْعِلْمِ عَنْهُ وَلَكِنَّهُ مُقَصِّرٌ فِي الْعَمَلِ وَإِلَّا كَانَ مَرْدُودًا عَلَىٰ قَائِلِهِ۔[1]

ترجمہ:"جب شیخ سالم الخواصؒ حج ادا کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو بازار میں امام ابن عیینہؒ سے ملاقات ہوئی، اسے بازار میں دیکھ کر انہوں نے ناراضگی کا اظہار فرمایا تو امام ابن عیینہؒ نے فرمایا:

میرے عمل کو دیکھے بغیر مجھ سے علم حاصل کرو اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا ادارہ رکھو، اگر تیرا گزرنا کسی پھل دار درخت کے پاس ہو جائے تو پھل توڑ کر لکڑی آگ کے لیے چھوڑ دو۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ (علم اس سے حاصل کرو جو علم دین سکھانے

---

[1] الأداب الشرعية، فَصْلٌ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ وَمَا يُبْدَأُ بِهِ مِنْهُ، ج۲، ص۴۷۔

کا اہل ہو مگر اس کے عمل میں کوتاہی ہو۔ ورنہ اگر وہ اہل نہ ہو تو پھر اس کی بات رد ہو گی وہ علم کے لیے مرجع بننے کا اہل نہیں"۔

۴: ان کی زیادہ عزت و تکریم نہ کی جائے، خاص کر جہاں اس کی وجہ سے یہ اندیشہ ہو کہ لوگ اس کو "دینی مقتدیٰ" سمجھنا شروع کریں گے، اسی طرح دینی تقاضوں کے برخلاف امور میں ان کا ساتھ بالکل نہ دیا جائے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ:

تعوذوا بالله من فتنة العالم الفاجر والعابد الجاهل، فإن فتنتهما فتنة لكل مفتون۔[1]

ترجمہ: "جاہل عابد اور فاجر عالم سے خدا کی پناہ مانگو، کیونکہ ان کا فتنہ ہر ایک کے لیے آزمائش ہے"۔

۵: اگر علماء صالحین سے علم حاصل کرنا ممکن ہو تو انہی سے علم حاصل کر لیں، بے عمل علماء کے سامنے زانوئے تلمذ پھیلانے سے احتراز ممکن ہو تو احتراز ہی کرنا چاہیے، اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ استاد کے عادات و اخلاق کا اثر طالب علم پر کسی نہ کسی درجے ضرور پڑتا ہے، نیز ایسے ذریعے سے جو علم حاصل ہو، وہ نمو اًبرکت سے بھی خالی ہوتا ہے، اسی طرح کسی کو استاذ کا درجہ دینا ایک گونا تعظیم بھی ہے جس کی وجہ سے متعلقہ شخص کو مقتدی کا مقام مل سکتا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] المدخل إلى السنن الكبرى، باب ما يكره لأهل العلم وغيرهم۔۔۔: ج ۱، ص ۳۳۵۔

لا يزال الناس بخير ما أخذوا العلم عن أكابرهم وعن أمنائهم وعلمائهم فإذا أخذوه من أصاغرهم وشرارهم هلكوا.[١]

ترجمہ: "لوگوں کی بھلائی برقرار رہے گی جب تک وہ علم اپنے بڑوں، قابل اعتماد افراد اور علماء سے حاصل کرتے رہیں گے۔ لیکن جب وہ علم بچوں (ناتجربہ کار لوگوں) سے اور برے (بد کردار) لوگوں سے حاصل کریں گے تو وہ تباہ ہو جائیں گے"۔

علماء سوء کی پہچان اور نقصان سے متعلق حضرت مجدد صاحبؒ کی تحقیق

علم غیر نافع کے حاملین کو علماء سوء بھی کہا جاتا ہے، گزشتہ تفصیلات سے "علماء سوء" کی حقیقت، ان کا مصداق وغیرہ پوری طرح واضح ہو جاتا ہے، تاہم مزید وضاحت کے لئے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا ایک مکتوب یہاں ذکر کیا جاتا ہے جو اپنی جگہ بڑا سبق آموز اور عبرت خیز ہے، آپ تحریر فرماتے ہیں:

"علماء کے لیے دنیا کی محبت اور اس میں رغبت کرنا ان کے جمال کے چہرہ کا بد نما داغ ہے۔ مخلوقات کو اگرچہ ان سے بہت فائدے حاصل ہوتے ہیں لیکن ان کا علم ان کے اپنے حق میں نفع بخش نہیں ہوا، اگرچہ شریعت کی تائید اور ملت کی تقویت انہی کی وجہ سے قائم ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دین کی یہ تائید و تقویت فاجر وفاسق لوگوں سے بھی واقع ہو جاتی ہے جیسا کہ سید الانبیاء علیہ وعلیہم وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات نے اس فاجر شخص کی دینی تائید کے بارے میں خبر دی ہے اور فرمایا ہے: ان الله ليؤيد هذ االدين بالرجل الفاجر (البتہ اللہ تعالیٰ ضرور اس دین یعنی اسلام کی ایک فاجر آدمی کے ذریعے سے بھی مدد دے گا)۔

---

[١] المدخل إلى السنن الكبرى، باب تقليد العامي للعالم، ج١، ص٢١٧-

یہ (علماء سوء) پارس پتھر کی مانند ہیں کہ تانبے اور لوہے کی چیز بھی اس کے ساتھ رگڑ کھاتی ہے سونا ہو جاتی ہے اور وہ خود اپنی ذات میں پتھر ہی رہتا ہے، اور اسی طرح وہ آگ جو پتھر اور بانس میں پوشیدہ موجود ہے دنیا کو اس آگ سے بہت سے فائدے حاصل ہیں لیکن وہ پتھر و بانس اپنے اندر کی موجودہ آگ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ علم ان (علماء سوء) کی اپنی ذات میں مضر ہے کیونکہ اس علم نے حجت کو ان پر پورا کر دیا، إن اشد الناس عذاباً يوم القيامة عالم لم ينفعه الله بعلمه (بیشک قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ عذاب کا مستحق وہ عالم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے علم سے کچھ نفع نہیں دیا)

وہ علم جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نزدیک معزز ہے اور موجودات میں اشرف ہے وہ ان کے لیے، مضر کیوں نہ ہو جبکہ انہوں نے اس علم کو کمینی دنیا یعنی مال وجاہ وریاست کے حاصل کرنے کا وسیلہ بنالیا ہے حالانکہ دنیا حق تعالیٰ کے نزدیک ذلیل وخوار اور مخلوقات میں سب سے بدتر ہے۔ پس خدائے تعالیٰ کی عزت دی ہوئی چیز کو ذلیل کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ذلیل کی ہوئی چیز کو عزت دینا نہایت برا ہے، اور حقیقت میں حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔ اور تعلیم دینا اور فتوے لکھنا اس وقت فائدہ دیتا ہے جبکہ خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو، اور جاہ وریاست کی محبت اور مال ومرتبہ کے حاصل کرنے کی آمیزش سے پاک وخالی ہو، اور اس کی علامت دنیا میں زہد وپرہیزگاری اختیار کرنا اور دنیا ومافیہا سے بے رغبت رہنا ہے۔

جو علماء اس بلا میں مبتلا اور اس کمینی دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں وہ علمائے دنیا میں سے ہیں، یہی لوگ علمائے سوء اور لوگوں میں سب سے برے اور دین کے چور ہیں

حالانکہ یہ لوگ اپنے آپ کو دین کا پیشوا جانتے ہیں اور آپنے آپ کو مخلوقات میں سب سے بہتر خیال کرتے ہیں:

﴿وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾[1]

ترجمہ: "اور یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم کسی اچھی حالت پر ہیں، خبر دار یہ لوگ جھوٹے ہیں، ان پر شیطان نے غلبہ پالیا ہے پھر اس نے ان کو اللہ کے ذکر سے غافل کر دیا۔ یہ لوگ شیطان کے گروہ ہیں۔ آگاہ رہو کہ شیطان کے گروہ والے ہی خسارہ پانے والے ہیں"۔

اکابرین میں سے ایک بزرگ نے شیطان ملعون کو دیکھا کہ فارغ (بیکار) بیٹھا ہے گمراہ کرنے اور بہکانے سے بے فکر ہو چکا ہے، اس بزرگ نے اس سے اس فراغت کی وجہ دریافت کی اس نے جواب دیا کہ اس زمانے کے برے علماء نے خود ہی اس کام میں میری بہت بڑی مدد کی ہے اور انھوں نے مجھے اس اہم کام سے فارغ کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں شرع کے کاموں میں جو سستی اور سہل پسندی و نفاق پیدا ہو گیا ہے اور دین وملت کے رواج دینے میں جو خلل و سستی ظاہر ہوئی ہے وہ سب برے علماء کی نحوست اور ان کی نیتوں کے خراب ہو جانے کے باعث ہے، ہاں وہ علماء جو دنیا سے بے رغبت ہیں اور جاہ (عزت) و مال بلندی (سرداری) کی محبت سے آزاد ہیں وہ علمائے آخرت میں سے ہیں اور انبیائے عظام علیہم الصلوۃ والسلام کے وارث ہیں، اور مخلوقات میں سے بہتر یہی علماء ہیں کہ کل قیامت کے دن ان کی سیاہی کو اللہ تعالی

---

[1] سورۃ مجادلۃ، ایت ۱۸، ۱۹۔

کے راستے میں شہید ہونے والوں کے خون کے ساتھ وزن کریں گے اور اس سیاہی کا پلہ بھاری رہے گا۔[1]

علم مقصود نہیں، وسیلہ ہے

علم سے متعلق اسلامی تعلیمات اور نصوص سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ بجائے خود مقصود نہیں ہے بلکہ ایک گونا وسیلہ ہے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے مطابق زندگی گزارنے اور اپنی استطاعت کے مطابق دین اسلام کی خدمت کرتے رہنے کا ایک ذریعہ ہے[2]، اس بات کے متعدد وجوہات میں سے تین اہم بنیادی دلائل یہ ہیں:

۱: قرآن وسنت میں ان علماء کی بہت مذمت فرمائی گئی ہے جو علم کے ضروری تقاضوں پر عمل نہیں کرتے، اگر علم خود مقصود ہوتا تو ان پر مذمت کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی، جب مقصود حاصل ہوگیا تو اس کے بعد مذمت کی کیا بنیاد ہے؟ بعض نصوص

---

[1] مکتوبات مجدد الف ثانی، مکتوب نمبر ۳۳، ج:۱ص:۱۳۲ تا ۱۳۵، ترجمہ حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ

[2] علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "مفتاح دار السعادۃ" میں اس بات کو دوسرے انداز میں ذکر فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہر علم عمل کے لئے وسیلہ نہیں ہوتا بلکہ جس طرح بعض اعمال وسیلہ ہیں اور بعض مقصود وغایات، یوں ہی علم کی بھی یہی دو قسمیں ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم ومعرفت مقصود ہے، وسیلہ نہیں ہے، اس کے بعد علم وعمل کے باہمی تفاضل پر بحث کی ہے کہ ان میں سے کونسا افضل ہے؟ تفصیل کے لئے مراجعت فرمائیں:

مفتاح دار السعادۃ ومنشور ولایۃ العلم والإرادۃ ج۱،ص ۱۷۸۔

اس ناکارہ کا خیال یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی بنیادی تضاد نہیں ہے، ایک چیز کی مختلف حیثیتیں ہو سکتی ہیں، چنانچہ بہت سے امور ایسے ہیں جو ایک لحاظ سے مقصود اور دوسرے اعتبار سے وسیلہ ہوتی ہے، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے جن مثالوں کو بنیاد بنا کر یہ نتیجہ نکالا ہے، ان میں بے تکلفی کے ساتھ یہ توجیہ کی جاسکتی ہے۔

کے مطابق تو ایسے لوگوں کو جاہل اور ایسے کام کو جہالت قرار دیا گیا ہے جو اپنی مدعیٰ میں بالکل واضح ہے۔

۲: دین اسلام کے احکام وتعلیمات کا مجموعی ڈھانچہ سب افراد کے لئے ہے، عالم اور غیر عالم دونوں ان احکام کے مخاطب ہوتے ہیں، شرعی لحاظ سے جو کام کرنے کے ہیں، اس کا حکم سب کی طرف متوجہ ہے، اور جن کاموں سے رکنا ہے، ان کا تعلق بھی تمام مسلمانوں کے ساتھ ہے، اب اگر کوئی شخص اس بات کا عالم تو ہے کہ جھوٹ، دھوکہ دہی، بغض وحسد، کبر وعجب حرام ہیں لیکن خود ان امور کا حامل ہے تو وہ بلاشبہ گناہ گار ومجرم شمار ہوگا، محض ان باتوں کے علم کی وجہ سے ان کو چھوٹ نہیں ملے گی کہ چونکہ اس نے ان باتوں کا علم حاصل کر لیا ہے، اس لئے یہ مجرم شمار نہ ہوگا۔

۳: بہت سے ائمہ اہل علم نے اس بات کی صراحت بھی فرمائی ہے، مثال کے طور پر علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وأما فضل العلم من جهة الشرع فإنما كان لكونه قربة إلى الله تعالى ومقتضيا لثوابه، وموجبا لخشيته، ومؤديا إلى معرفته أو الفهم عنه أو فهم كلامه، أو هداية ضال، أو إرشاد مسترشد، وكل واحد من هذه الأمور فضله بحسب متعلقه، وما ترتب عليه من الخير في الدنيا والآخرة. وعلم لا يؤدي إلى مقصود شرعي فليس هو العلم النافع الذي به يستحق العالم التفضيل الشرعي[1]

---

[1] قوت المغتذي، المقدمة، ابواب العلم، ج۲، ص۶۷۹۔

ترجمہ: "شرعاً علم کی فضیلت اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قربت، ثواب اور خوف کے حصول کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ کی معرفت کا وسیلہ، اللہ تعالیٰ کے کلام سمجھنے کا ذریعہ، گمراہوں کی ہدایت کا سبب اور رہنمائی طلب کرنے والوں کو راستہ دکھاتا ہے لہٰذا ان میں سے ہر کام کی فضیلت متعلقہ مقصد اور اس کی وجہ سے دنیا اور آخرت میں حاصل ہونے والی بھلائی کی وجہ سے ہے۔ جس علم کی وجہ سے شرعی مقصد حاصل نہ ہو تو وہ علم نافع نہیں جس کی وجہ سے بندہ شریعت کی طرف سے مقررہ فضائل کا مستحق بنے"۔

وسیلہ ہونے کے باوجود اہمیت وفضیلت

جب یہ بات کی جاتی ہے کہ "علم" مقصود نہیں بلکہ وسیلہ ہے تو کچھ اس سے یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ شاید شریعت کی نظر میں علم کی کچھ زیادہ اہمیت نہیں ہے، اصل مقصود عمل ہے اور بس وہی کافی ہے۔

یہ بات سخت غلط فہمی ہے، بار بار سوچنے کے بعد اس سنگین غلط فہمی کی اصل واساس یہ معلوم ہوتی ہے کہ علم سے شریعت کا حکم جاننا اور اللہ تعالیٰ کی مرضی ونامرضی معلوم کرنا مراد نہیں لیا جاتا بلکہ اس سے عام اصطلاح کے مطابق خاص کورس مکمل کرنا اور ایک نظام کے تحت داخل ہونا مراد لیا جاتا ہے، یہ ایسی غلط فہمی ہے جس سے صرف زیر بحث غلطی ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی متعدد غلط فہمیاں جنم لے رہی ہیں، ورنہ تو اگر علم سے "شریعت کا حکم جاننا" اور "اللہ تعالیٰ کی مرضی معلوم کرنا" ہی مراد لے لے تو اس کے بعد یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اصل مقصود عمل ہی ہے اور بس؟ عمل کو علم کے بالمقابل کیونکر ٹھہرایا جاسکتا ہے؟ کیا اس معنی میں علم کے بغیر "نیک عمل" کا تصور کیا جاسکتا ہے؟

بہر حال، علم اگرچہ بذات خود مقصود نہیں بلکہ وسیلہ ہے، مگر اس کے باوجود اس کی غیر معمولی اہمیت اور فضیلت ایک طے شدہ حقیقت ہے، شریعت مبارکہ نے اس کو بڑی اہمیت دی ہے، اس کے حاصل کرنے کے مختلف اور متعدد فضائل ارشاد فرمائے گئے ہیں، اس کے کچھ حصہ کو فرض عین، فرض کفایہ قرار دیا ہے اور کچھ کو مستحب ومندوب۔

اب جب علم کا حکم شرعی ہونا اور اس کے کچھ حصے کا ہر شخص کے ذمہ ضروری ہونا مسلم ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص بے علمی میں کوئی گناہ کرتا ہے، مثال کے طور پر کوئی شخص بازار میں رہ کر کاروبار کرتا ہے مگر شرعی احکام سے بے خبر ہونے کی وجہ سے وہ کوئی سودی وغیرہ ناجائز طریقے سے معاملہ کرتا ہے تو وہ دوہرا مجرم ہو گا، ایک جرم تو اس درپیش مسئلہ کا حکم معلوم نہ کرنے کا ہے اور ایک خود اس حکم عدولی کا، جبکہ اگر یہ اس بات کا علم حاصل کرتا اور پھر معاذ اللہ اس طرح کوتاہی ہوتی تو صرف حکم عدولی کا گناہ ہوتا، دو گناہوں کا مرتکب شمار نہ ہوتا، یہ الگ بات ہے کہ اس کا یہ ایک گناہ بھی اس لحاظ سے سنگین اور حد درجے نامناسب ہے کہ جان بوجھ کر حکم عدولی کر رہا ہے۔

کیا دنیاوی علوم بھی فضیلت کے مصداق ہیں؟

علم اور علماء سے متعلقہ نصوص سے متعلق ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ اس وقت علوم دو بڑے خانوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں، ایک خانہ دنیوی علوم وفنون کا ہے جس کے تحت بیسیوں شاخیں ہیں جبکہ دوسرا خانہ دینی علوم وفنون کا ہے، اس کی بھی بیسیوں چھوٹی بڑی شاخیں ہیں، دونوں قسم کے علوم وفنون جاننے والے افراد عام لوگوں کی بنسبت "کچھ زیادہ جاننے والے" شمار ہوتے ہیں، یہ تقسیم اگرچہ آج کل کی نہیں ہے

بلکہ شروع سے چلتی چلی آرہی ہے تاہم اس وقت یہ تقسیم خوب زوروں پر ہے، واقعی دنیا پر جب مادیت کے قدم مضبوط ہونا شروع ہوئے تو اس سے دنیوی فنون کی قدر وقیمت بھی بڑھ گئی اور اب بکثرت یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ اجر وفضیلت کے ان نصوص کا مصداق کیا ہے؟ اگر دینی علوم ہی اس کے مصداق ہیں تو دنیوی علوم کو اس کے تحت سے آخر کیونکر نکالا جاتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ: ان نصوص کے اولین مصداق دینی اور شرعی علوم ہی ہیں، دینی اور شرعی علوم کا اولین مصداق وہی ہے جس کو "علوم عالیہ" کہا جاتا ہے، فنون کو اگر "علوم عالیہ" تک پہنچنے اور ان کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے کام میں لائے جائے تو وہ بھی اس معنی میں دینی علوم بن جاتے ہیں۔ جہاں تک دنیوی علوم وفنون ہیں تو وہ ان نصوص کے مصداق نہیں ہیں، نصوص میں علم کی جو کچھ اجر وفضیلت بتائی گئی ہے، اس سے دنیوی علوم فنون مراد نہیں ہیں۔

اس کی متعدد وجوہات ہیں جن میں سے چند نمایاں وجوہات یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

پہلی وجہ / دلیل

پہلی وجہ: متعدد نصوص سے خود اس کی طرف واضح اشارہ پایا جاتا ہے، مثال کے طور پر "سورۃ فاطر" میں ہے:

﴿ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ﴾[1]

ترجمہ: "بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں سے عالم ہی ڈرتے ہیں"۔

---

[1] سورۃ فاطر، آیت ۲۸۔

یہاں "علماء" کے ساتھ خشیت کو جوڑا گیا ہے، یہ لفظ "علم" سے مشتق ہے اور نصوص میں جب ایسے لفظ کے ساتھ کسی بات / حکم کو جوڑا جاتا ہے تو اس کا "مأخذ اشتقاق" ہی اس بات / حکم کی بنیاد ہوتی ہے، اس کے مطابق اس آیت کریمہ کا حاصل یہ ہوا کہ "علماء" اپنے علم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی خشیت رکھتے ہیں۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں کن علماء اور کس علم کی فضیلت واہمیت اجاگر کرنی مقصود ہے؟ یہ بات تو محتاج بیان نہیں ہے کہ محض دنیوی علوم وفنون کا اللہ تعالیٰ کی خشیت کے ساتھ کوئی لینا دینا نہیں ہے۔

اسی طرح "سورۃ زمر" میں ہے:

﴿أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾[1]

ترجمہ: "(کیا کافر بہتر ہے) یا وہ جو رات کے اوقات میں سجدہ اور قیام کی حالت میں عبادت کر رہا ہو آخرت سے ڈر رہا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید کر رہا ہو، کہہ دو کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں"۔

یہاں پہلے عبادت کا ذکر صراحت کے ساتھ کیا گیا ہے جس کے مقابلے میں عبادت نہ کرنے والا شخص ہے، پھر آیت کے آخر میں عالم اور غیر عالم کے برابر نہ ہونے کی بات ارشاد فرمائی گئی، تقریباً تمام مستند مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ دونوں باتیں آپس میں مربوط ہیں اور علم سے یہاں مراد وہی ہے جس کا نتیجہ اسی آیت کے شروع میں بتایا گیا ہے کہ انسان کی زندگی اللہ تعالیٰ کی بندگی کی تصویر بن جائے۔

---

[1] سورۃ زمر، آیت ۹

اسی طرح حدیث شریف میں ہے:

"إنَّ العلماءَ ورثةُ الأنبياء، وإن الأنبياءَ لم يُورِّثُوا ديناراً ولا دِرْهماً، ورَّثُوا العِلْمَ، فمن أخذه أخذ بحظٍّ وافرٍ"۔[1]

ترجمہ: علماء ہی انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں اور نبیوں نے دینار اور درہم کی وراثت نہیں چھوڑی، ان کی وراثت علم ہے، پس جس نے اسے لیا اس نے وافر حصہ لیا۔

اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے کونسے علوم کو میراث کے طور پر چھوڑا؟ ظاہر ہے کہ وہ دین وشریعت ہی کے علوم تھے، انہی علوم کے حامل افراد کو یہاں حضرات انبیاء کرام (علیہم الصلاۃ) کے جانشین قرار دیا جارہا ہے۔ نیز مزید غور کیا جائے تو اس روایت میں اس بات کی صاف وضاحت فرمائی گئی ہے کہ حضرات انبیاء کرام (علیہم الصلوات والتسلیمات) نے درہم اور دینار کو میراث کے طور پر نہیں چھوڑا، جبکہ دنیوی علوم وفنون کا بڑا مقصود یہی ہوتا ہے، اس لئے اس اہم مقصود کی نفی سے دنیوی علوم وفنون کی نفی خود بخود ہوجاتی ہے، پھر ان دراہم ودنانیر کے مقابل کے طور پر حصر کے ساتھ علم کو میراث نبوت قرار دیا، جس سے مزید یہ بات مستحکم ہوجاتی ہے کہ علوم نبوت فنون دنیا سے بالکل جدا اور علیحدہ چیز ہے۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

یہاں کوئی یہ سوال نہ کرے کہ مختلف انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو مختلف دنیوی علوم وفنون میں بھی مہارت حاصل تھی، چنانچہ سیدنا سلیمان علیہم السلام کو حکمرانی کے فن، حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کو زرہ بنانے، سیدنا نوح علیہ السلام کو کشتی

---

[1] سنن ابي داود، كتاب العلم، باب الحث على طلب العلم، ج۲، ص۴۸۰

بنانے کے فن میں مہارت حاصل تھی، پھر یہ بات کیسے کی جاسکتی ہے کہ انبیاء کرام کی میراث دین وشریعت ہی کے علوم تھے؟

اس سوال کے درست نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ:

الف: یہاں کسی خاص نبی کی میراث کی بات نہیں ہو رہی بلکہ "انبیاء" کرام کی میراث کی بات کی جارہی ہے جو اصولی لحاظ سے "عام" کا صیغہ ہے جس کے تحت تمام انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام داخل ہو جاتے ہیں تو کیا سب انبیاء کرام کو درج بالا فنون میں مہارت حاصل تھی۔

ب: جن انبیاء کرام علیہ الصلاۃ والسلام کو مختلف دنیوی علوم وفنون میں ماہرانہ مقام ومرتبہ حاصل تھا، وہ بھی ایک ضروری مشغلہ کے طور پر اس کام کو انجام دیتے تھے، ان فنون میں مہارت حاصل کرنے یا اس کی تعلیم دلانے کو کسی نبی نے مقصودِ زندگی کا درجہ نہیں دیا، نہ ہی یہ فنون ان پر اس حد تک غالب آئے تھے کہ ان کی زندگی کا نمایاں تصویر /کارنامہ کا مقام اختیار کرلیا، اس لئے ایسی جزوی قسم کی چیزوں کو مقصود و میراث کا درجہ دینا کہاں درست ہو سکتا ہے!

دوسری وجہ / دلیل

اس بات کی دوسری بڑی اور بنیادی وجہ دورِ سلف بلکہ خود دورِ نبوت (علی صاحبہا آلاف تحیات وتسلیمات) کا تعامل وتوارث ہے، چنانچہ سلف کے دور میں علماء انہی افراد کو کہا جاتا تھا جو دینی تعلیمات کا خاطر خواہ علم رکھتے تھے، خلافت کے امور میں بھی علماء انہی افراد کو کہا جاتا تھا اور عام اصطلاح میں بھی ایسے ہی افراد عالم کہلاتے تھے۔ یاد رہے کہ اس دور کا تعامل بڑی دلیل ہے، اس سے بڑے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

تیسری وجہ / دلیل

درج بالا دعوی کی تیسری بڑی وجہ یہ ہے کہ دسیوں ائمہ اہل علم نے اس کی صراحت فرمائی ہے اور یہ موقف اختیار فرمایا ہے کہ علم کی منصوص فضیلت کے مصداق دینی علوم ہی ہیں، یہاں مثال و نمونے کے طور پر چند اہل علم کی عبارات ذکری کی جاتی ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ، علامہ رازی رحمہ اللہ کی ایک بات پر تعقیب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثم إدخاله [علم] السحر في عموم قوله: ﴿قل هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون﴾ فيه نظر؛ لأن هذه الآية إنما دلت على مدح العالمين بالعلم الشرعي.[١]

ترجمہ: "علم سحر کو باری تعالی کے اس ارشاد گرامی: " کہہ دو کیا علم والے اور بے علم برابر ہوسکتے ہیں" کے عموم کی وجہ سے اس فضیلت میں شامل کرنا درست نہیں، کیونکہ یہ آیات مبارکہ علم دین حاصل کرنے والوں کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں (غیر شرعی علوم کی فضیلت پر دلالت نہیں کرتی)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

قوله وقوله عز وجل رب زدني علما .. والمراد بالعلم العلم الشرعي الذي يفيد معرفة ما يجب على المكلف من أمر دينه في عباداته

---

١ تفسیر ابن کثیر، سورۃ بقرۃ، ایت ١٠٢، ج١، ص٣٦٦-

ومعاملاته والعلم بالله وصفاته وما يجب له من القيام بأمره وتنزيهه عن النقائص ومدار ذلك على التفسير والحديث والفقه.[۱]

ترجمہ: "باری تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی: میرے علم میں اضافہ فرما" یہاں علم سے شرعی علم مراد ہے جو بندہ کے ذمے واجب دینی امور یعنی: عبادات، معاملات، اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات، اللہ تعالیٰ کے لیے تمام صفات کمال کا اثبات اور تمام عیوب سے منزہ ہونے میں بندہ کی رہنمائی کرتی ہے۔ اور ان کا دارومدار علم تفسیر علم حدیث اور علم فقہ پر ہے"۔

علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(أَن مثل الْعلمَاء فِي الأَرْض) بِالْعلمِ الشَّرْعِيّ العاملين بعلمهم (كَمثل النُّجُوم) أَي كَالنُّجُومِ (فِي السَّمَاء يهتدى بهَا فِي ظلمات الْبر وَالْبَحْر) فَكَذَا الْعلمَاء يهتدى بهم فِي ظلمات الضلال وَالْجَهْل.[۲]

ترجمہ: "زمین میں شرعی علوم سے واقف اور اس پر کاربند علماء ستاروں کے مانند ہیں، یعنی: جس طرح خشکی اور تری میں ستاروں کے ذریعے رہنمائی حاصل ہوتی ہے اسی طرح گمراہی اور جہالت کے اندھیروں میں علماء کے ذریعے روشنی ملتی ہے"۔

اسی کتاب میں ایک اور جگہ ہے:

(سَاعَة من عَالم) أَي عَامل بِعِلْمِهِ (متكئ على فرَاشه ينظر فِي علمه) ويطالع أَي و يقرئ أَو يُفْتِي أَو يؤلف (خير من عبَادَة العابد سبعين

---

۱ فتح الباري،قوله باب قول النبي صلى الله عليه وسلم الدين النصيحة،ج۱،ص۱۴۱۔

۲ التيسير،حرف الهمزة،ج۱،ص۳۴۳۔

عَاما) لِأَن الْعلم أس الْعِبَادَة وَلَا تصح الْعِبَادَة بِدُونِهِ وَالْمرَاد الْعلم الشَّرْعِيّ.[1]

ترجمہ: "باعمل عالم کا ایک لمحہ جس میں وہ اپنے بستر پر تکیہ لگائے مطالعہ کر رہا ہو، کتاب پڑھتا ہو، فتوی دیتا ہو، کوئی تحریر لکھتا ہو، وہ ایک لمحہ عبادت گزار کی ساٹھ سالہ عبادت سے بہتر ہے۔ کیونکہ علم ہی عبادت کی بنیاد ہے، اس کے بغیر عبادات درست نہیں ہوتی۔ علم سے مراد شرعی علم ہے"۔

ایک دوسری روایت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(صَاحب الْعلم) الشَّرْعِيّ الْعَامِل بِهِ المعلمه غَيره لوجه الله (يَسْتَغْفِرهُ لَهُ كل شَيْء حَتَّى الْحُوت فِي الْبَحْر)[2]

ترجمہ: "علم دین حاصل کرنے والا عالم جو اپنے علم پر عمل کرنے والا اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر سکھانے والا ہو اس کے لیے کائنات کی ہر چیز یہاں تک مچھلیاں سمندر میں دعاء مغفرت طلب کرتی ہیں"۔

علامہ ابن علان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

من تعلم علماً مما) أي: من العلم الذي (يبتغي) أي يقصد (به وجه الله عز وجل) أي: التقرب إليه وذلك العلم الشرعي.[3]

ترجمہ: "جو کوئی ایسا علم حاصل کرے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور تقرب حاصل کرنا مقصود ہو تو یہ شرعی علم ہی ہے"۔

---

١ التيسير، حرف السين، ج٢، ص٥٠-

٢ التيسير، حرف الصاد، ج٢، ص٨٧-

٣ دليل الفالحين، كتاب الأمور المنهي عنها، باب فيما يتوهم أنه رياء وليس هو رياء، ج٨، ص٤٦١-

علامہ ابن الملک رحمہ اللہ "شرح مصابیح" میں لکھتے ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طلبُ العلم"؛ أي: العلمِ الشرعيِّ "فريضة".[1]

ترجمہ: "علم دین حاصل کرنا فرض ہے"۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ ایک حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

(من سلك) : أي: دخل أو ذهب ومشى (مسلكا) : أي: طريقا أو سلوكا، والمعنى تعاطى سببا من الأسباب (في طلب العلم) : أي: في تحصيل العلم الشرعي ..وفيه إشارة إلى أن كل طريق من طرق العلم طريق من طرق الجنة، وأن سبيل الجنة مسدودة من غير أبواب العلوم، لكن بشرط الإخلاص المؤدي إلى العمل على وجه الاختصاص.[2]

ترجمہ: "جو کوئی علم دین حاصل کرنے کے لیے کسی راستے پر چلے یا کوئی اور سبب اختیار کرے۔۔۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم دین کا ہر راستہ جنت کا راستہ ہے، اور علم کے بغیر جنت کے تمام راستے بند ہیں۔ البتہ اخلاص شرط ہے جو خالص خدا تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہو اور بندہ کو عمل پر بھی ابھارے"۔

شریعت کی نظر میں علم اور عالم کا صحیح مصداق

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نصوص میں جہاں علم کی فضیلت وارد ہوئی ہے، اس سے شرعی اور دینی علم مراد ہے اور وہی لوگ اس فضیلت کے مصداق ہیں جو

---

۱ شرح المصابيح، كتاب العلم، ج۱، ص۲۰۶-

۲ مرقاة المفاتيح، كتاب العلم، ج۱، ص۳۲۶-

درست نیت اور درست طریقے سے اس علم کو حاصل کرلیں اور پھر اس کے تقاضوں پر عمل بھی کریں۔ لہٰذا:

الف: دینی علوم کے علاوہ علوم وفنون اس کے مصداق نہیں ہیں۔

ب: اگر کوئی دینی علم حاصل کرے لیکن نیت درست نہ ہو تو بھی ایسا شخص علم کے منصوص فضائل کا مستحق نہیں۔

ج: کوئی شخص دینی علم حاصل کرلے لیکن اس کے تقاضوں پر عمل پیرا نہ ہوں تو بھی وہ علم کے فضائل کا مصداق نہیں۔

پھر علم کے تقاضے مختلف نوعیت کے ہیں، مثال کے طور پر ایک شخص نماز سے متعلقہ ہزار مسائل جان لیتا ہے تو ان میں سے بعض چیزیں فرض، بعض واجب ،بعض مستحب اور مندوب ہیں، یہ تینوں مختلف قسم کے احکام ہیں ،سب پر عمل کرنے کا حکم یکساں نہیں ہے، لہٰذا علم کا کمال تو یہی ہے کہ سب باتوں پر اپنے اپنے درجہ میں عمل ہو، مستحب اور مندوب بھی ترغیب کے عنوانات ہیں جن کو انجام دیدینا چاہئے ،تاہم محض ان چیزوں میں کوتاہی کرنے سے کوئی" علم "کے فضائل سے ان شاء اللہ محروم نہیں ہوگا، اس لئے یوں کہا جاسکتا ہے کہ "علم" کا کم از کم تقاضا یہ ہے کہ واجبی احکام پر عمل کرتا رہے اور ان میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔

بے احتیاطی کے رویّے

علم اور علماء کے مفہوم ومصداق کے متعلق یہاں تک تفصیل کے ساتھ گفتگو کی گئی۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ ہمارے ہاں اس باب میں کافی بے احتیاطی سے کام لیا جاتا ہے، چنانچہ بعض جگہ افراط سے کام لیا جاتا ہے بعض جگہ تفریط سے۔ یہاں ان

دونوں بے احتیاطیوں کی دو دو صورتیں اس جذبے کے ساتھ سپردِ قلم و قرطاس کی جاتی ہیں کہ ان کی درستگی کی جائے۔

افراط کی دو صورتیں اور ان کا حل

افراط کی پہلی صورت یہ ہے کہ دنیوی فنون وعلوم کو بھی منصوص فضیلت کا مصداق قرار دیا جاتا ہے، پھر بعض بدنصیب لوگ تو اس حد تک جسارت کر جاتے ہیں کہ انہی دنیوی فنون کو نصوص کا اصل مصداق ٹھہرا لیتے ہیں، خالص دینی علوم وفنون کی ایک گونا تضحیک کرنا شروع کرتے ہیں، عنایت اللہ خان مشرقی[1] اور اس کے ہم نوا لوگ اسی خیال کے علمبردار رہے ہیں، اور بعض لوگ تو اتنے بے توفیق نہیں ہوتے، وہ دینی علوم وفنون کو اپنی اہمیت تو دیتے ہیں لیکن دنیوی فنون کو بھی اس کے ساتھ شریک و سہیم قرار دیتے ہیں۔

یہ رویّہ عام طور پر اسی طبقہ میں دیکھا جاتا ہے جس کو دنیادار کہا جاتا ہے۔ اس رویّہ کا منشا دینی احکام و تعلیمات سے ناواقفیت ہے، اور یہ رویّہ کیوں غلط اور خلاف شرع ہے؟ اس کی تفصیل گزشتہ سطور میں ذکر کی جاچکی ہے۔

---

[1] یہاں موضوع سے خارج ہی سہی، لیکن ایک دردِ دل کی بات یہ ہے کہ لوگ خواہ مخواہ ان کے نام کے ساتھ "علامہ" اور "رحمہ اللہ" یا "مرحوم" جیسے سابقے لاحقے لگاتے ہیں، حالانکہ وہ دینی علوم سے تو ناواقف تھا ہی، دنیوی علوم وفنون میں بھی کوئی خاص مہارت حاصل نہ تھی تو علامہ کہنے کی بنیاد کیا ہوسکتی ہے! اسی طرح وہ ضروریاتِ دین میں سے کئی باتوں کا کھلم کھلا انکار بھی کرتا تھا جس کی وجہ سے اس وقت کے معتمد اور مستند اہل علم نے اس کو کافر بھی قرار دیا تھا، تو اس کے بعد اس کے لئے رحمت یا مغفرت کی دعاء کرنے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟ الفاظ اور کلمات میں احتیاط کرنا ضروری ہے۔ سرسید احمد خان کا حال بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ درسِ نظامی کے ہر فاضل کو عالم تصور کیا جاتا ہے، جو بھی شخص درسِ نظامی سے فارغ ہو جائے، اس کو عالم کہا جاتا ہے۔

یہ رویہ اس طبقے میں دیکھا جاتا ہے جو دین دار کہلاتا ہے، اس کا منشا نصوص کے مفاہیم میں غور و فکر کی کمی اور الفاظ و اصطلاحات کے استعمال میں احتیاط کی کمی یا فقدان ہے۔ گزشتہ تفصیلات سے اس غلطی کا بھی تصفیہ ہو جاتا ہے، خاص کر پچھلے عنوان "شریعت کی نظر میں علم اور عالم کا صحیح مصداق" کو درست طریقے سے سمجھا جائے تو اس غلطی کا صاف حل نکل جاتا ہے۔

تفریط کی دو صورتیں اور ان کا حل

لفظ "علم" اور "علماء" کے استعمال میں تفریط کی پہلی نمایاں صورت تو یہ ہے کہ ذہن میں اس کے لئے ایک خاصا اونچا معیار مقرر کیا جاتا ہے، اس کے لئے علمی گہرائیوں اور فنی باریکیوں کو جاننا بلکہ ان جیسے امور میں ماہرانہ مقام حاصل کرنا ضروری قرار دیا جاتا ہے، اور پھر اس پیمانے پر لوگوں کو ناپا تولا جاتا ہے، اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ چند گنے چنے افراد کے علاوہ باقی تمام افراد علماء کے مصداق ہونے سے نکل جاتے ہیں۔

اس غلطی کا حل یہی ہے کہ علم کے منصوص فضائل کے لئے علوم و فنون میں اس قدر جامعیت اور گہرائیوں کو جاننا ضروری نہیں ہے، سلف صالحین کے زمانے میں تو یہ اکثر فنون و علوم مدون نہیں تھے، یہ الفاظ و اصطلاحات ہی موجود نہ تھے، لیکن اس کے باوجود ان میں علماء کی کمی نہیں تھی اور اس زمانے کے عالم بالاتفاق علماء دین تھے۔

تفریط کی دوسری بڑی صورت یہ ہے کہ ذرا سی ذرا سی بات پر مختلف علماء کرام کو جاہل یا علماء سوء قرار دیکر ان کو علمائے کرام کی صف سے باہر تصور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، ان کو علم کے فضائل سے محروم باور کرانے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔

حالانکہ جن باتوں کی بنیاد پر ایسا اقدام کیا جاتا ہے، بعض اوقات وہ بات شرعی نقطہ سے "گناہ و حرام" کے درجے کی نہیں ہوتی بلکہ محض ترجیحات اور مزاج و مذاق کا مسئلہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے کسی پر طعن و تشنیع کرنا شرعاً جائز نہیں ہوتا، بعض اوقات کسی گناہ ہی کی وجہ سے لوگ ایسا اقدام کرتے ہیں لیکن اس گناہ کی حیثیت یہ ہوتی ہے کہ وقتی طور پر متعلقہ شخص سے صادر ہوا، کھل عام اس کا ارتکاب کیا اور نہ ہی اس جیسے گناہوں کا عادی ہوتا ہے تو ایسی بشری کمزوریوں کو اچھالنے کی آخر ضرورت کیا ہے؟ اور محض اس کی بنیاد پر اگر کوئی شخص علم کے فضائل سے محروم قرار دیا جاتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوگا کہ علم کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے معصوم ہونا ضروری ہے حالانکہ اس کا غلط ہونا محتاج بیان نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص دینی علم رکھنے کے باوجود کوئی واضح نوعیت کے گناہ کا کھلم کھلا ارتکاب کرتا ہے، اور اس پر ندامت یا پشیمانی اختیار نہیں کرتا بلکہ الٹا اس پر ڈھٹ جاتا ہے تو اس کا معاملہ دوسرا ہے اور اس پر حسب مصلحت تنقید کرنا کچھ برا نہیں بلکہ مستحسن ہے تاکہ لوگ اس کی وجہ سے بے راہ روی کے شکار نہ ہوں۔

علم حاصل کرنے کا حکم

نصوص میں علم کے فضائل بھی بیان ہوئے ہیں، اس کے حاصل کرنے کا حکم بھی دیا گیا، ایک روایت میں اس کو فرض بھی قرار دیا گیا ہے، لیکن امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر شخص پر ہر قسم کا علم حاصل کرنا ضروری نہیں ہے، یعنی تمام علم کا حاصل کرنا "فرض عین" نہیں ہے بلکہ اس کے حکم میں یہ تفصیل ہے کہ:

۱: دین کی بنیادی عقائد کا علم فرض عین ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ موجود ہے، خالق ہے، اکیلا اور تن تنہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، قیامت برحق ہے اور ضرور آئے گی۔

۲: جس ضروری حکم کے ساتھ واسطہ پیش آئے، اس کا جاننا ضروری ہے۔ اب بعض باتیں تو ایسی ہیں جن کے ساتھ ہر مسلمان کو ہر دن واسطہ پڑتا ہے، مثلاً نماز اور طہارت کے مسائل، اس کا جاننا تو ہر مسلمان پر فرض ہے، جبکہ بعض باتیں ایسی ہیں جن کے ساتھ ہر مسلمان کو واسطہ نہیں پڑتا بلکہ بعض لوگ ہی اس کو انجام دیتے ہیں، مثال کے طور پر کوئی کاروبار یا ملازمت کر رہا ہے تو آئے روز جن ضروری احکام کے ساتھ اس کا واسطہ پڑتا ہے، اس کا شرعی حکم جاننا ضروری ہے، جن باتوں کی آئے روز ضرورت پیش نہیں آتی بلکہ کسی خاص موقع پر اس کی نوبت آتی ہے تو نوبت آتے وقت اس کا حکم جاننا ضروری ہے۔

۳: اس کے علاوہ باقی احکام فرض عین نہیں بلکہ "فرض کفایہ" ہے، لہٰذا اگر اتنی تعداد میں ایسا علم رکھنے والے افراد موجود ہوں جس سے امت کی ضرورت پوری ہو جاتی ہو اور وہ بروقت امت کو پیش مسائل کی شرعی حیثیت واضح کر سکیں تو اس سے پوری امت کی ذمہ داری اداء ہو جائے گی، ورنہ تو کوتاہی کی وجہ سے پوری امت گنا گار ہو گی۔

"کتاب الکسب" میں ہے:

وَبَيَان فَرِضِيَّة طلب الْعلم فِي قَوْله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم طلب الْعلم فَرِيضَة على كل مُسلم وَالْمرَاد علم الْحَال. .وَبَيَان هَذَا أَن مَا يحْتَاج الْمَرْء فِي الْحَال لأَدَاء مَا لزمَه يفترض عَلَيْهِ عينا علمه كالطهارة لأَدَاء

الصَّلَاة فَإِن أَرَادَ التِّجَارَة يفترض عَلَيْهِ تعلم مَا يحرز بِهِ عَن الرِّبَا والعقود الْفَاسِدَة وَإِن كَانَ لَهُ مَال يفترض عَلَيْهِ تعلم زَكَاة جنس مَاله ليتمكّن بِهِ من الْأَدَاء وَإِن لزمَه الْحَج يفترض عَلَيْهِ تعلم مَا بِهِ الْحَج فَهَذَا معنى علم الْحَال.

ترجمہ:"علم کی فرضیت کا بیان آپ ﷺ کے اس ارشاد گرامی :"علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے" میں ہے۔ یہاں علم سے علم الحال مراد ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ: بندہ پر جو کچھ لازم ہو، اس کی ادائیگی کے لیے جس قدر علم کی ضرورت ہو، اس کا حاصل کرنا اس پر فرض عین ہے۔ مثلاً: نماز ادا کرنے کے لیے طہار... (کہ ہر عاقل بالغ پر اس کا جاننا فرض عین ہے) اگر کوئی تجارت کرنے کا ارادہ کرے، تو اس پر سود اور فاسد معاملات سے بچنے کے لیے بقدر ضرورت علم فرض ہے۔ اگر کوئی مالدار ہو تو اس کے پاس موجودہ مال کی زکوۃ کے احکامات جاننا اس پر فرض ہے تاکہ وہ صحیح طریقے سے زکوۃ ادا کرے۔ اگر کسی کے ذمے حج فرض ہو تو اسے حج ادا کرنے کے لیے ضروری علم حاصل کرنا فرض ہے، اسی کو علم حال کہتے ہیں"۔

علامہ تورپشتی رحمہ اللہ "فرضیت علم" کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

والمراد بـ (العلم) - ههنا: القسم الذي فرض على العبد معرفته في أبواب المعارف، ويفتقر إليه في معاملة الله، ويتعين عليه العمل به؛

الكسب، وبيانه من وجوه، ج١، ص٦٦-

لأنه قال: (على كل مسلم)؛ فهو- إذن- محمول على العلم الذي لا يعذر العبد في الجهل به.[١]

ترجمہ: "یہاں علم سے مراد وہ علم ہے جو عقائد کے باب میں بندہ پر فرض ہو، اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں بندہ اس کا محتاج ہو اور عمل میں اس کا مددگار ہو۔ کیونکہ آپ ﷺ نے اس حدیث میں ہر مسلمان کا ذکر فرمایا ہے، تو یہاں علم سے وہ علم مراد ہے جس سے ناواقف رہنے میں وہ معذور نہ سمجھا جاتا ہو"۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

قوله: ((طلب العلم فريضة)): المراد من العلم ما لا مندوحة للعبد من تعلمه، لمعرفة الصانع، والعلم بوحدانيته، ونبوة رسوله، وكيفية الصلاة؛ فإن تعلمه فرض عين، وعلى هذا كلام الشارحين.[٢]

ترجمہ: "فرض علم سے مراد وہ علم ہے جس کے سیکھے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو، مثلاً: خالق کائنات کی پہچان، اس کی وحدانیت کا علم، آپ ﷺ کی نبوت، نماز کا طریقہ وغیرہ کہ ان امور کا جاننا سب کے ذمے فرض عین ہے شارحین نے بھی یہی معنی مراد لیا ہے"۔

علامہ ابن مودود رحمہ اللہ کی تحقیق

علامہ ابن مودود موصلی رحمہ اللہ نے علم کا حکم بیان کرتے ہوئے اس کے چار مختلف احکام لکھے ہیں[٣]، وہ فرماتے ہیں:

---

١ الميسر، كتاب العلم، ج١، ص١٠٥-

٢ الكاشف عن حقائق السنن، كتاب العلم، ج٢، ص٦٧٨-

٣ علامہ ابن مودود موصلی رحمہ اللہ کی یہ کتاب حنفیہ کے ہاں دیگر متون کی طرح کچھ زیادہ تو مشہور نہیں رہا، نہ ہی دیگر مشہور کتابوں کی طرح کچھ زیادہ اس سے استفادہ کیا گیا، لیکن یہ کتاب اپنے اندر بعض امتیازی خصوصیات رکھتی ہیں، جن

وطلب العلم فريضة.. وهو أقسام: فرض، وهو مقدار ما يحتاج إليه لإقامة الفرائض ومعرفة الحق من الباطل، والحلال من الحرام، وهو محمل الحديث؛ ومستحب وقربة كتعليم ما لا يحتاج إليه ليعلم من يحتاج إليه كالفقير يتعلم أحكام الزكاة والحج ليعلمها من وجبا عليه، وكذلك تعلم الفضائل والسنن كالأذان والإقامة والجماعة وسنة الختان ونحوها، ومباح وهو الزيادة على ذلك للزينة والكمال؛ ومكروه وهو التعلم ليباهي به العلماء ويماري به السفهاء.[1]

ترجمہ: "علم حاصل کرنا فرض ہے، پھر اس کی کئی قسمیں ہیں: اس قدر علم فرض ہے کہ بندہ کے ذمے فرض امور اور حق و باطل اور حلال و حرام پہچاننے میں وہ اس کا محتاج ہو، حدیث مبارکہ کا بھی یہی مطلب ہے۔ مستحب وہ علم جس کی بذات خود اسے ضرورت نہ ہو مگر جسے ضرورت ہو اسے سمجھانے کے لیے علم حاصل کرنا مثلاً: فقیر کے لیے زکوۃ اور حج کے احکامات کہ وہ اسے سیکھ کر جس پر فرض ہو اسے سکھائیں نیز فضائل اور سنتوں کا جاننا مثلاً: اذان و اقامت، جماعت، ختنہ وغیرہ کے مسائل۔ مباح وہ علم ہے جو اس کے علاوہ ہو مزید نکھار اور کمال کی حد تک۔ مکروہ وہ علم ہے جس کے ذریعے وہ علماء پر اپنا برتری ثابت کرنے کے لیے یا بے وقوف لوگوں سے بحث و مباحثہ کا بازار گرم رکھنے کے لیے علم سیکھنا"۔

میں سے ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں "مبسوط"، "تبیین" اور "ہدایہ" کی طرح مختلف مسائل کے علل مذکور ہیں لیکن بہت اختصار کے ساتھ، دوسری بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ "حظر واباحت" کے ابواب میں امام محمد اور امام سرخسی (رحمہا اللہ) کی "کتاب الکسب" کی پوری روح [illegible] میں ذکر فرمائی ہے۔

[1] الاختيار لتعليل المختار، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، ج ٤، ص ١٧١۔

اس تفصیل کے مطابق حصول علم کی یہ چار حالتیں / صورتیں ہیں اور ان کے یہ احکام ہیں جو اس عبارت میں مذکور ہیں، تاہم یاد رہے کہ:

الف: یہاں جس علم کو "مستحب و قربت" قرار دیا ہے، یہ عام افراد کے حق میں ہے، مجموعی طور پر امت کے حق میں اس کی حیثیت فرض کفایہ کی ہے، اگر پوری امت اس کو چھوڑے گی تو پوری ہی امت گناہ گار ہو گی، اسی طرح اگر مقدار کفایت سے کم افراد اس کو حاصل کریں گے تو بھی ان خاص افراد کے علاوہ باقی امت گناہ گار قرار پائے گی۔

ب: اسی طرح جس قسم کو یہاں "مباح" قرار دیا گیا ہے، اس میں اصل کردار نیت کا ہے، اگر اس سے ضروری علوم میں پختگی مقصود ہو اور اس پختگی سے خود علم یا امت کی تعلیم و خدمت مطلوب ہو تو یہ مباح سے بڑھ کر موجب ثواب قرار پائے گا۔

ج: اسی طرح جس قسم کو مکروہ قرار دیا ہے، اس سے معلومات و مسائل کا کوئی مخصوص حصہ مراد نہیں ہے جس کا علم حاصل کرنا مکروہ ہے بلکہ اس میں اصل تاثیر اسی نیت بد کی ہے، اس نیت سے اگر مستحب بلکہ واجب علم کو بھی حاصل کیا جائے تو وہ مکروہ ہی ہو گا۔ نیز یاد رہے کہ یہاں کراہت کے لفظ کا استعمال تخفیف کے لئے نہیں ہے بلکہ سلف اور متقدمین کے ہاں یہ لفظ گناہ و حرام کے لئے کثرت کے ساتھ استعمال ہوتا تھا بلکہ خود قرآن کریم میں بھی سورت حجرات میں کفر، فسوق اور عصیان کے لئے اسی "کراہت" کا مادہ استعمال فرمایا گیا ہے۔

تعلیم کا حکم

جس طرح خود علم حاصل کرنے کی متعدد صورتیں ہیں اور ان کے مختلف احکام ہیں جن میں سے ایک حصہ ایسا بھی ہے جس کا جاننا ہر مسلمان پر فرض اور فرض

عین ہے، یوں ہی دینی علم کی تعلیم کا بھی یہی حکم ہے، اس کی متعدد صورتیں اور مختلف احکام ہیں:

الف: بعض اوقات یہ فرض عین ہو جاتا ہے، مثال کے طور پر کسی کو کوئی فوری نوعیت کا مسئلہ درپیش ہے، وہ آکر عالم دین سے پوچھتا ہے اور عالم کو وہ مسئلہ معلوم بھی ہے، اگر یہ عالم مسئلہ نہ بتائے تو قوی اندیشہ ہے کہ مخاطب گناہ میں مبتلا ہو جائے گا اور قریب میں کوئی دوسرا بتانے والا بھی موجود نہ ہو۔

ب: بعض اوقات فرض کفایہ ہوتا ہے جو افراد کی حیثیت سے مستحب ہوتا ہے، اس کی مثال وہی اوپر والی ہے جہاں بتانے والے متعدد افراد موجود ہوں، سائل کے لئے سب سے دریافت کرنا ممکن ہو، اسی طرح ہمارے مدارس میں جو تعلیم دی جاتی ہے، اس کا اکثر حصہ بھی فرض کفایہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

"مجمع الانہر" میں ہے:

والتعليم بقدر ما يحتاج إليه لإقامة الفرض فرض ولا يجب على الفقيه أن يجيب عن كل ما يسأل عنه إذا كان هناك من يجيب غيره فإن لم يكن غيره يلزمه الجواب لأن الفتوىٰ والتعليم فرض كفاية.[1]

ترجمہ: "دینی فرائض ادا کرنے کے لیے بقدر ضرورت علم حاصل کرنا فرض ہے، البتہ جب کوئی دوسرا جواب دینے والا موجود ہو تو فقیہ پر ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں۔ اگر کوئی اور نہ ہو تو پھر سائل کو جواب دینا لازم ہے، کیونکہ فتوی دینا اور مسئلہ سکھانا فرض کفایہ ہے"۔

---

[1] مجمع الأنهر، کتاب الکراهية، فصل في الكسب، ج۲، ص۵۲۷۔

ج:نیت کی عمدگی یا خرابی کی وجہ سے بھی تعلیم کا حکم تبدیل ہو جاتا ہے، ناموری، اجرت اور شہرت جیسی دنیوی امور کی نیت سے جائز امور کی تعلیم کا عمل بھی ناجائز ہو جاتا ہے۔

"کتاب الکسب" میں ہے:

وَهَذَا لِأَنَّ الله تَعَالَىٰ حكم بِبَقَاء الشَّرِيعَة إِلَىٰ يَوْم الْقِيَامَة والبقاء بَين النَّاس يكون بالتعلم والتعليم فيفترض التَّعْلِيم والتعلم جَمِيعًا وَقد قررنَا هَذَا الْمَعْنىٰ فِي بَيَان فَرضِيَّة الْكَسْب وَالدَّلِيل عَلَيْهِ مَا رُوِيَ أَن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم لعن الَّذين لَا يعلمُونَ وَالَّذين لَا يتعلمون ليرْفَع الْعلم بهم .. وَالَّذِي يُؤَيّد هَذَا كُله قَوْله تَعَالَىٰ ﴿وَإِن أحد من الْمُشْركين استجارك﴾ الْآيَة وَفِي هَذَا إِشَارَة إِلَىٰ أَنه يفترض تَعْلِيم الْكَافِر إِذا طلب فتعليم الْمُؤمن أولى۔[۱]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کو یہ دین قیامت تک برقرار رکھنا مقصود ہے، اوراس کی بقاء آپس میں سیکھنے اور سکھانے پر موقوف ہے، لہذا سیکھنا، سکھانا دونوں فرض ہے۔ یہی تحقیق ہم نے ذریعہ معاش کی فرضیت کے بحث میں ذکر کی ہے۔ اس کی دلیل آپ ﷺ کا وہ ارشاد گرامی ہے کہ: ان لوگوں پر خدا کی لعنت ہو جو لوگوں کو نہیں سکھاتے اور جو نہیں سیکھتے کیونکہ ان کی وجہ سے علم ضائع ہو گا۔ باری تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:" اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ اللہ کا کلام سنے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو یہ اس لیے ہے کہ وہ لوگ بے سمجھ ہیں" اس آیت مبارکہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ

---

۱ الکسب، وبیانہ من وجوده، ج ۱، ص ۶۶

جب کوئی کافر علم سیکھنے کی درخواست کرے تو انہیں سکھانا فرض ہے تو مسلمان کا سمجھانا تو بطریق اولیٰ فرض ہے"۔

اس عبارت میں تعلیم کے لازم ہونے پر دو نصوص سے استدلال فرمایا گیا ہے، اس کے ایک دو سطر بعد امام محمد رحمہ اللہ [1] نے اس کی ایک اور بنیاد بتلائی جو اپنی جگہ بہت اہمیت اور معنویت رکھتی ہے، فرماتے ہیں:

وَقَالَ وكما أَنّ طلب الْعلم فَرِيضَة فأداء الْعلم للنَّاس فَرِيضَة لِأَنّ اشْتِغَال الْعَالِم بِالْعلمِ بِهِ مَعْرُوف وَالْعَمَل بِخِلَافِهِ مُنكر فالتعليم يكون أمرا بِالْمَعْرُوفِ ونهيا عَن الْمُنكر وَهُوَ فرض على هَذِه الْأمة وَقَالَ الله تَعَالَى ﴿كُنتُم خير أمة أخرجت للنَّاس﴾ الْآيَة [2]

ترجمہ: "جس طرح علم سیکھنا فرض ہے اسی طرح لوگوں کو سکھانا بھی فرض ہے، کیونکہ عالم کا علم پھیلانا نیکی ہے اور اس کا برعکس گناہ ہے، تو تعلیم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ہے، جو اس امت پر فرض ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: "تم سب امتوں میں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لیے بھیجی گئی ہیں"۔

علامہ ابن مودود موصلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

---

[1] یہ اصل کتاب تو امام محمد رحمہ اللہ کی ہے لیکن اس کی شرح امام سرخسی رحمہ اللہ نے تحریر فرمائی ہے، لیکن قدیم طرز کی شرح ہے جہاں متن اور شرح کی عبارت میں امتیاز کرنا مشکل ہوتا ہے، اس لئے "سیر کبیر" وغیرہ کتابوں کی طرح یہاں بھی متن کی اصل عبارت یعنی امام محمد رحمہ اللہ کے کلام اور شرح کی عبارت میں فرق کرنا مشکل ہے، تاہم درج ذیل عبارت میں ایک ایسا قرینہ ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بات امام محمد رحمہ اللہ کی ہے، اس لئے یہاں ان کا نام نامی لیا گیا ہے۔

[2] الکسب، وبیانہ من وجوہ، ج ۱، ص [illegible]

والتعليم بقدر ما يحتاج إليه لإقامة الفرض فرض أيضا، قال عليه الصلاة والسلام: «من سئل عن علم عنده احتاج الناس إليه فكتمه ألجم يوم القيامة بلجام من نار» ، حتى قالوا: يجب على المولى أن يعلم عبده من القرآن والعلم بقدر ما يحتاج إليه لأداء الفرائض[1]

ترجمہ: "دینی فرائض ادا کرنے کے لیے بقدر ضرورت علم حاصل کرنا فرض ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: جس سے کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا جائے جو اسے معلوم ہو اور لوگوں کو ضرورت بھی ہو پھر اسے چھپائے (نہ بتائے) تو روز قیامت اس کے منہ میں آگ کا لگام ڈالا جائے گا"۔

تعلیم کا مطلب سنانا نہیں بلکہ سمجھانا ہے

یہاں جو تعلیم کا حکم ذکر کیا گیا ہے جس کے مطابق یہ کبھی فرض اور کبھی مستحب ہوتا ہے، اس سے مراد سائل کو شرعی حکم بتانا نہیں ہوتا، بلکہ سمجھانا ہوتا ہے۔ اس کا ثمرہ یہ نکلتا ہے کہ بسا اوقات ذہن کی کمزوری یا زبان کی اجنبیت وغیرہ عناصر کی بنیاد پر مخاطب ایک آدھ بار سننے سے بات پوری طرح نہیں سمجھتا، اگر اسی حالت پر اس کو چھوڑ دیا جائے اور مزید تعلیم و رہبری نہ کی جائے تو وہ شرعی حکم کا اصل و مقصود نہیں سمجھ پائے گا، لہٰذا محض سنانے سے تعلیم کا عمل مکمل نہیں ہو گا بلکہ اس کو اپنی استطاعت کے مطابق سمجھانا ہے، تبھی جا کر تعلیم کا عمل پورا ہو جائے گا۔

"الاختیار" ہی میں ہے:

---

[1] الاختيار لتعليل المختار، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، ج٤، ص١٧١۔

ويفترض العلماء تعليمه إلى أن يفهم المتعلم ويحفظه ويضبطه، لأنه لا يتمكن من إقامة الفرائض إلا بالحفظ.[1]

ترجمہ:"علماء پر علم سکھانا فرض ہے تاکہ طالب علم اسے سمجھے، یاد کرکے ضبط کرے کیونکہ یاد کیے بغیر دینی فرائض کی ادائیگی ممکن نہیں"۔

علماء تیار کرنا امت کا اجتماعی فریضہ ہے

گزشتہ صفحات میں باحوالہ یہ بحث گزر چکی ہے کہ علم دین کا ایک حد تو وہ ہے جو فرض عین ہے اور ہر مسلمان اس کا مخاطب ہے، اس سے زیادہ علم فرض کفایہ ہے، ہر ہر شخص الگ الگ طور پر تو اس کا مخاطب نہیں ہے تاہم امت مجموعی طور پر اس کا مخاطب ہے اور اس کی دینی حیثیت ایک اجتماعی فریضے کی ہے۔ اس سے خود بخود یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ علماء دین تیار کرنا امت کا اجتماعی فریضہ ہے، اگر کچھ باہمت اور خوش نصیب افراد اس کام کے لئے اپنے آپ کو فارغ کر لیتے ہیں اور ان کی تعداد اتنی ہو جس سے امت کی علمی اور تعلیمی ضرورت بروقت حل ہو سکے تو سعادت کی بات ہے ،ورنہ تو پوری امت پر ذمہ داری عائد ہو گی اور اس فرض کفایہ کے چھوڑنے پر ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق مسئول و گناہ گار ہو گا۔

رہا یہ سوال کہ کس حد تک علماء تیار کرنا فرض کفایہ ہے؟ تو اس کا اصولی جواب تو وہی ہے جس کی طرف درج بالا سطور میں اشارہ کیا گیا ہے کہ اس حد تک علماء تیار کرنا ضروری ہے جس سے امت کو درپیش علمی اور تعلیمی ضرورت پوری ہو سکے، تطبیقی لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مثال کے طور پر ہم ضلع مردان میں رہتے ہیں، اس میں مسلمانوں

---

[1] ایضاً۔

کی کثیر تعداد رہائش پذیر ہیں، ان مسلمانوں کو مختلف قسم کے مسائل بھی درپیش ہوتے ہیں، اب ضلع مردان یا آس پاس کے قریب علاقوں میں اس حد تک علماء کا موجود ہونا ضروری ہے کہ مسلمانوں کو درپیش مسائل میں ان کی بروقت دینی رہبری کر سکیں۔ باقی علماء کرام کی تعداد اور فاصلوں کی تحدید تو یہ ایک تجرباتی چیز ہے جو جگہ اور ذرائع ابلاغ و مواصلات وغیرہ کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہیں۔

علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

قال الدواني في «شرح العقائد»: يجب على الناس إقامة عالم على المسافة الغدوية ليرجع إليه الناس في أمور دينهم، وإلا فهم آثمون.[1]

ترجمہ: "علامہ دوانی شرح عقائد عضدیہ میں فرماتے ہیں: لوگوں پر فرض ہے کہ ایک دن کی مسافت کے بقدر فاصلہ میں کوئی عالم تیار کریں، تا کہ لوگ ان کی طرح دینی امور میں رہنمائی حاصل کرنے کے لیے رجوع کریں۔ اگر ایسا نہ کریں تو سب گناہ گار ہوں گے"۔

تعلیم اور دیگر عبادات کا ایک اہم فرق

دینی علوم و مسائل کی تعلیم اگرچہ ہر وقت فرض عین نہیں ہوتا بلکہ عام حالات میں فرض کفایہ ہوتا ہے، تاہم متعدد اہل علم نے اس میں اور دیگر عبادات میں ایک بڑا فرق لکھا ہے، وہ یہ ہے کہ مثلاً اگر کوئی شخص مسلسل روزہ رکھنا شروع کرلے یا نماز پڑھنا شروع کرلے تو رمضان کے مہینہ یا پانچ اوقات کی نمازوں کی حد تک تو یہ فرض کی

---

[1] فيض الباري، كتاب العلم، باب تحريض النبي ﷺ وفد عبد القيس على أن يحفظوا الإيمان والعلم، ج١، ص٢٧١۔

ادائیگی کرنے والا (مفترض) شمار ہوگا، باقی روزہ اور نماز میں نفل بجالانے والا (متنفّل) قرار پائے گا، لیکن تعلیم کا یہ حال نہیں ہے، تعلیم دینے والا بہر حال فرض کی ادائیگی کرنے والا ہی شمار ہوگا۔

"کتاب الکسب" میں ہے:

وَبَيَانُ قَوْلِنَا أَن من آكِد الْفَرَائِض أَن الْإِنْسَان لَو شغل جَمِيع عمره بالتعليم والتعلم كَانَ مفترضا فِي الْكل وَلَو شغل جَمِيع عمره بِالصَّلَاةِ وَالصَّوْم كَانَ متنفلا فِي الْبَعْض وَلَا شكّ أَن إِقَامَة الْفَرْض أَعلَى دَرَجَة من إِدْرَاك النَّفْل.[1]

ترجمہ: "علم کا ضروری فرائض میں سے ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ: اگر کوئی بندہ خود کو ساری زندگی سیکھنے سکھانے میں مصروف رکھے تو وہ ساری عمر فرض کی ادائیگی میں صرف کرتا ہے۔ اگر کوئی ساری زندگی نماز اور روزہ میں صرف کرے تو بعض اوقات اس کے نفل عبادات میں شمار ہوں گے۔ چنانچہ فرض کی ادائیگی نفل کی ادائیگی سے بہت بہتر ہے"۔

[1] الكسب، وَبَيَانه من وُجُوه، ج۱، ص۶۶۔

باب دوم:

- ❖ اہل علم کی ذمہ داریاں اور امت کے ذمہ ان کے حقوق
- ❖ علماء کرام کے حقوق
- ❖ عالم کے لئے سوچ سمجھ کر کام کرنے کی اہمیت
- ❖ دینی ماحول پیدا کرنے کی اہمیت

اہل علم کی ذمہ داریاں اور امت کے ذمہ ان کے حقوق

فصل اول: اہل علم کی ذمہ داریاں

علماء کرام کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ ان کے فرائض منصبی کیا ہیں؟ اس کے متعلق کوئی ایسی روایت تو تلاش کے باوجود نظر سے نہیں گزری جو اسنادی لحاظ سے بھی قابل استدلال ہو اور زیر بحث موضوع سے متعلق بھی صریح ہو، تاہم علم اور علماء سے متعلق عام روایات کو پیش نظر رکھ کر یہاں ترتیب وار کچھ اہم ذمہ داریاں لکھی جاتی ہیں۔

پہلی ذمہ داری

عالم دین کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ علم پر مضبوطی کے ساتھ عمل کرتا رہے، اس کی ذمہ داری ہونے کی وجہ یہ ہے کہ علم پر عمل نہ کرنا درحقیقت علم سے نفع نہ اٹھانا ہے جس کی احادیث مبارکہ میں بڑی ہی مذمت فرمائی گئی ہے۔

علم پر عمل کرنے کا صاف سیدھا مطلب "اتباع شریعت" ہی ہے کہ عالم دین پورے دین و شریعت پر عمل کرتا رہے۔

عالم کی کوتاہی کی دو امتیازی قباحتیں

شریعت کے حکم کی خلاف ورزی خواہ عالم کرے یا عام فرد، دونوں جرم ہیں لیکن عالم کے اس طرح اقدام کرنے میں دو قباحتیں ایسی ہیں جو عام شخص کے جرم میں نہیں ہوتی، وہ یہ ہیں:

پہلی قباحت: جان بوجھ کر نافرمانی کرنا

عام شخص کو عموماً شرعی حکم کا علم نہیں ہوتا، اس لئے وہ لاعلمی میں شرعی حکم کی مخالفت کر رہا ہوتا ہے جبکہ عالم جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے، ظاہر ہے کہ جان بوجھ کر اقدام جرم زیادہ قبیح ہوتا ہے۔

عام انسانی معاشرے میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے، مثال کے طور پر زید ایک قد آور شخصیت اور بڑے منصب پر فائز افسر ہے، عمر اس سے بالکل واقف نہیں ہے اور اس کی حق تلفی کر رہا ہے اور اس کے ساتھ عامیانہ زبان استعمال کرتا ہے، خالد اس کو اچھی طرح جانتا پہچانتا ہے، اس کی حیثیت و حقوق سے واقف ہونے کے باوجود اس کی حق تلفی کر رہا ہے اور اس کے ساتھ بازاری زبان استعمال کرتا ہے، زید کو دونوں کی حالت کا علم ہے کہ عمر بے چارہ میرے منصب و مقام سے ناواقف ہے اور خالد اس سے پوری طرح باخبر ہے، ظاہر ہے کہ وہ عمر کی بنسبت خالد کی کوتاہیوں پر زیادہ ناراض و غصہ ہوگا کہ وہ بے چارہ تو نہ جاننے کی وجہ سے ایسا کر رہا ہے، ابھی حقیقت حال سے واقف ہو جائے تو فوراً رویہ تبدیل ہو جائے لیکن خالد تو جان بوجھ کر ایسا کر رہا ہوتا ہے۔

دوسری قباحت: لوگوں کی غلط فہمی کا ذریعہ بننا

ب: معاشرے میں مختلف عناصر کی وجہ سے علماء کرام کی قدر و اہمیت اگرچہ کم ہو رہی ہے تاہم پھر بھی خدا کا شکر ہے کہ کسی حد تک ان حضرات کا اثر ورسوخ معاشرے میں برقرار ہے، وہ دینی لحاظ سے مقتدی سمجھے جاتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ عالمی پروپیگنڈے اور مسلسل محنت کی وجہ سے لوگوں نے دین کا دائرہ کار تنگ کر رکھا ہے اور عملی طور پر وہ نماز، روزہ وغیرہ چند عبادات تک دین کی پابندی کرتے ہیں، بہر حال اہل علم کو لوگ مقتدی خیال کرتے ہیں، ان کی باتوں اور کردار کا اثر لیتے ہیں، اگر اہل علم

کھل عام کوئی کام کرتے ہیں تو عام لوگ اس کو ناجائز نہیں سمجھتے بلکہ جائز ہی خیال کرتے ہیں اور اس جائز سمجھنے کی اصل دلیل اہل علم کا اقدام ہی ہوتا ہے۔

اب جب کوئی عالم دین اپنے علم کی خلاف ورزی کر کے کسی معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس گناہ کو گناہ ہی خیال نہیں کرتے یا اس گناہ کے ساتھ نفرت وبغض اور اس کی زیادہ ہولناکی وخطرناکی ذہن سے غائب ہو جاتی ہے، یہ ایک اعتقادی نقصان ہے جو ایک دو نہیں بلکہ دسیوں افراد کو پہنچتا ہے اور وہ سب اس سے کسی نہ کسی طرح ضرور دوچار ہوتے ہیں، پھر اس اعتقادی نقصان پر عملی کوتاہیوں کی ایک لمبی عمارت استوار ہو جاتی ہے۔

علامہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ تجربہ کی بات تحریر فرماتے ہیں:

وَيُقَالُ: إِذَا اشْتَغَلَ الْعُلَمَاءُ بِجَمْعِ الْحَلَالِ صَارَ الْعَوَامُّ أَكَلَةَ الشُّبْهَةِ، وَإِذَا صَارَ الْعُلَمَاءُ أَكَلَةَ الشُّبْهَةِ، صَارَ الْعَوَامُّ أَكَلَةَ الْحَرَامِ، وَإِذَا صَارَ الْعُلَمَاءُ أَكَلَةَ الْحَرَامِ صَارَ الْعَوَامُّ كُفَّارًا. قَالَ الْفَقِيهُ: لِأَنَّ الْعُلَمَاءَ إِذَا جَمَعُوا الْحَلَالَ فَالْعَوَامُّ يَقْتَدُونَ بِهِمْ فِي الْجَمْعِ، وَلَا يُحْسِنُونَ الْعِلْمَ فَيَقَعُونَ فِي الشُّبْهَةِ، وَأَمَّا إِذَا أَخَذَ الْعُلَمَاءُ مِنَ الشُّبْهَةِ وَتَحَرَّزُوا عَنِ الْحَرَامِ فَيَقْتَدِي بِهِمُ الْجُهَّالُ، وَلَا يُمَيِّزُونَ بَيْنَ الشُّبْهَةِ وَالْحَرَامِ، فَيَقَعُونَ فِي الْحَرَامِ.[1]

ترجمہ: "اگر علماء صرف حلال پر اکتفاء کرنے لگے (اور ان کے منظور نظر بس فقہی لحاظ سے حلال ہونا کافی ہو اور احتیاط پر عمل نہ کریں) تو عوام مشتبہ مال استعمال کرنے

[1] تنبیہ الغافلین، باب العمل بالعلم، ج۱، ص۴۳۵۔

لگے۔ اگر علماء مشتبہ اموال استعمال کرنے لگے تو عوام صریح حرام کھانے لگے۔ جب علماء حرام کھانے لگے تو عوام کفر اختیار کرنے لگے۔ علامہ سمرقندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جب علماء مال جمع کرنا شروع کریں تو عوام بھی ان کے نقش قدم پر چل کر مال جمع کرنا شروع کریں گے، اور چونکہ انہیں مسائل کا بخوبی پتہ نہیں ہوتا اس وجہ سے مشتبہ مال کھانے لگے۔ جب علماء مشتبہ مال کھانے لگے اور صرف یقینی حرام سے بچنے کی کوشش کرنے لگے تو جہلاء ان کی اقتداء کریں گے اور مشتبہ اور حرام میں فرق نہ جاننے کی وجہ سے حرام میں پڑیں گے"۔

علماء کی کوتاہی سے متعلق علامہ شاطبی کی مفید تحقیق

ان دو وجوہات کی بنیاد پر علماء کوتاہی اور ان کی معصیت عام افراد کی کوتاہیوں اور ان کے معاصی کی بنسبت زیادہ خطرناک اور بہت مذموم ہوتی ہیں۔ علامہ ابو اسحاق شاطبی رحمہ اللہ نے اس دوسری وجہ سے اپنی مفید کتاب "موافقات" میں بڑی بصیرت افروز گفتگو فرمائی ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ علماء کی کوتاہی یا فروگزاشت اگر اسی تک محدود رہے تو یہ عوام کی کوتاہی اور فروگزاشت سے کچھ (زیادہ) مختلف نہیں، تاہم اگر لوگوں

تک اس کا اثر پہنچے تو پھر یہ محض ایک کوتاہی ہی نہیں رہتی، بلکہ لوگوں کی اقتداء واتباع کرنے کی وجہ سے یہ عظیم جرم بن جاتا ہے، فرماتے ہیں:

ومنها: ما جاء في الحذر من زلة العالم، [فإن زلة العالم] في علمه أو عمله -إذا لم تتعد لغيره- في حكم زلة غير العالم، فلم يزد فيها على غيره، فإن تعدت إلى غيره اختلف حكمها، وما ذلك إلا لكونها جزئية إذا اختصت به ولم تتعد إلى غيره، فإن تعدت صارت كلية

بسبب الاقتداء والاتباع على ذلك الفعل، أو على مقتضى القول؛ فصارت عند الاتباع عظيمة جدا. ـن كذلك على فرض اختصاصها به.[1]

ترجمہ: "عالم کی علمی یا عملی کوتاہی جب متعدی نہ ہو (کسی اور کے لیے گمراہی کا باعث نہ ہو) تو وہ جاہل کی غلطی کے مانند ہے، کیونکہ اس میں جاہل کی کوتاہی سے زائد کسی چیز کا اضافہ نہیں (دونوں کا اثر محدود رہا)۔ البتہ اگر غلطی اور کوتاہی کا اثر دوسروں تک پہنچے، تو پھر اس کا حکم الگ ہے، کیونکہ پہلی صورت میں تو وہ ایک خاص مسئلہ تھا کسی اور کے ساتھ اس کا تعلق نہ تھا، جب اس کا اثر دوسروں تک پہنچنے لگا تو وہ قول یا فعل کی اتباع اور اقتداء کی وجہ سے غلطیوں کا مجموعہ بن گیا، تو اتباع کے وقت وہ بہت بڑا جرم شمار ہوگا، اگر غلطی اس کے ساتھ خاص ہوتی تو پھر اتنا عظیم جرم نہ ہوتا"۔

پھر لکھتے ہیں کہ: یہ حکم صرف اہل علم اور علماء ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جن لوگوں کو بھی معاشرے میں مقتدی کی حیثیت حاصل ہوتی ہے، ان سب کا یہی حال ہے، لکھتے ہیں:

ویجري مجراه كل من عمل عملا فاقتدى به فيه؛ إن صالحا فصالح، وإن طالحا فطالح.[2]

ترجمہ: "یہی حال ان لوگوں کا بھی ہے جو کوئی کام کریں اور لوگ انہیں دیکھ کر کرنے لگے۔ اگر نیک کام ہو تو ثواب ورنہ گناہ (میں اس کے ساتھ وہ مقتدی شریک ہوں گے"۔

---

[1] الموافقات، مدخل، القسم الاول: خطاب الکتاب، ج ١، ص ٢٢٢۔
[2] ایضاً۔

اس بات کی دلائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفيه جاء: "من سن سنة حسنة أو سيئة"، و "إن نفسا تقتل ظلما؛ إلا كان على ابن آدم الأول كفل منها؛ لأنه أول من سن القتل"، وقد عدت سيئة العالم كبيرة لهذا السبب وإن كانت في نفسها صغيرة، والأدلة على هذا الأصل تبلغ القطع على كثرتها وهي توضح ما دللنا عليه من كون الأفعال تعتبر بحسب الجزئية والكلية، وهو المطلوب.[1]

ترجمہ: "(مقتدی لوگوں کی غلطی زیادہ خطرناک ہوتی ہے) اس کے بارے حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے کہ: "جو کوئی نیک کام کرے یا برا کام کرے الخ دوسری جگہ ہے کہ: "جب کوئی ظلما قتل ہوتا ہے تو قابیل کا اس گناہ میں اپنا حصہ ہوتا ہے، کیونکہ انہوں نے ناحق قتل کی بنیاد رکھی۔ اس وجہ سے عالم کی معمولی غلطی بھی اگرچہ وہ فی نفسہ صغیرہ گناہ ہو، کبیرہ شمار ہوتی ہے۔ اس بارے میں وارد دلائل اپنی کثرت کی وجہ سے قطعیت تک پہنچ چکے ہیں جن سے ہمارے بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ گناہ کے صغیرہ اور کبیرہ ہونے میں افعال کے جزئی اور کلی ہونے کا بھرپور دخل ہے"۔

ایک بار اس ضابطہ منقح انداز میں ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولهذا تستعظم شرعا زلة العالم، وتصير صغيرته كبيرة، من حيث كانت أقواله وأفعاله جارية في العادة على مجرى الاقتداء، فإذا زل؛ حملت زلته عنه قولا كانت أو فعلا لأنه موضوع منارا يهتدى به، فإن علم كون زلته زلة؛ صغرت في أعين الناس وجسر عليها

---

[1] ایضاً۔

الناس تأسيا به، وتوهموا[1] فيها رخصة علم بها ولم يعلموها هم تحسينا للظن به، وإن جهل كونها زلة؛ فأحرىٰ أن تحمل عنه محمل المشروع، وذلك كله راجع عليه.[1]

ترجمہ: "اس وجہ سے عالم کی غلطی بڑی شمار ہوتی ہے اور عام طور پر قول و فعل میں اس کی اتباع کی وجہ سے اس کا صغیرہ گناہ بھی کبیرہ شمار ہوتا ہے۔ جب وہ غلطی کرنے لگے تو لوگ اس کے غلط قول و فعل کی اقتداء بھی کرنے لگتے ہیں، کیونکہ وہ تو ہدایت کا مینار ہوتا ہے۔ اگر اسے اپنی غلطی کا احساس ہو، تو لوگوں اسے معمولی بات سمجھ کر جسارت سے کام لیتے ہیں، اسے رخصت سمجھتے ہیں اور حسن ظن کے طور پر یہ کہتے ہیں کہ: شائد اسے اس کے بارے میں رخصت کا علم ہو گا، تاہم ہمیں نہیں بتایا ہو گا۔ اگر عالم کو اپنی غلطی کا احساس نہ ہو تو پھر تو لوگ اسے جائز سمجھ کر ہی کریں گے اور ان سب کا وبال اسی پر ہو گا"۔

مزید استدلال و تائید کے لئے اس پر چند آثار و روایات بھی ذکر فرمائے ہیں، لکھتے ہیں:

وقد جاء في الحديث: "إني لأخاف على أمتي من بعدي من أعمال ثلاثة". قالوا: وما هي يا رسول الله؟ قال: "أخاف عليهم من زلة العالم ومن حكم جائر، ومن هوىٰ متبع".

وقال عمر بن الخطاب: "ثلاث يهدمن الدين: زلة عالم، وجدال منافق بالقرآن، وأئمة مضلون".[2]

---

[1] الموافقات، كتاب الأدلة الشرعية، الفصل الخامس: في البيان والإجمال، ج٤، ص٨٨-

[2] ایضاً۔

ترجمہ:"حدیث شریف میں ہے کہ:" مجھے اپنے بعد اپنی امت کے بارے میں تین باتوں کی فکر ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ وہ کونسی باتیں ہیں؟ فرمایا کہ: مجھے ان کے بارے میں عالم کی غلطی، ظالم حکمران، اور خواہشات کی اتباع کی بڑی فکر ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: تین چیزیں دین ڈھاتی ہیں: عالم کی غلطی، منافق کا قرآن کے ذریعے بحث ومباحثہ، اور گمراہ حکمران"۔

اس کے بعد بعض اہل علم کی طرف سے علماء کی غلطی کی ہولناکی کی حسی مثال دیتے ہیں کہ (عام افراد کی غلطی اور معصیت کے ارتکاب کی مثال تو ایسی ہے جیسے کشتی کے مسافروں میں سے ایک آدھ سمندر میں گر جائے، اس کے نقصان وموجب افسوس ہونے میں تو کوئی کلام نہیں ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے اس متعلقہ فرد کی جان ہی چلی جاتی ہے، جہاں تک علماء کی غلطیوں اور کوتاہیوں کا سوال ہے تو) علماء کی غلطیوں اور ناجائز باتوں کے ارتکاب کرنے کی مثال کشتی کے ٹوٹنے کی ہے کہ اگر کشتی ٹوٹ جاتی ہے تو اس سے ان تمام افراد کی جان ضائع ہو جاتی ہے جو اس کے پشت پر سوار ہوتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

وشبّه العلماء زلة العالم بكسر السفينة؛ لأنها إذا غرقت غرق معها خلق كثير.[1]

ترجمہ:"علماء نے عالم کی غلطی کی مثال کشتی کے ٹوٹنے کے ساتھ دی ہے، کیونکہ جب وہ غرق ہوتی ہے تو اپنے ساتھ کئی لوگوں کو ڈبوتی ہیں"۔

علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ اپنی ایک مفید کتاب میں یہی بات حضرت عیسی علیہ الصلاۃ والسلام سے نقل کرتے ہوئے یوں ذکر کرتے ہیں:

---

[1] الموافقات، كتاب الأدلة الشرعية، الفصل الخامس: في البيان والإجمال، ج٤، ص٩٠.

قِيلَ لِعِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ: يَا رُوحَ اللهِ وَكَلِمَتَهُ مَنْ أَشَدُّ النَّاسِ فِتْنَةً؟ قَالَ: «زَلَّةُ الْعَالِمِ إِذَا زَلَّ الْعَالِمُ زَلَّ بِزَلَّتِهِ عَالَمٌ كَثِيرٌ»[۱]

ترجمہ:"حضرت عیسی علی نبیناوعلیہ السلام سے کسی نے عرض کیاکہ :اے روح اللہ!اے کلمۃ اللہ !کس کافتنہ بڑا سنگین ہے؟فرمایاکہ: عالم کاپھسلنا کہ جب عالم پھسلتاہے تواس کے ساتھ کئی لوگ پھسلتے ہیں"۔

علامہ علاء الدین حصکفی رحمہ اللہ نے اس حوالہ سے ایک دلچسپ اور سبق آمیز قصہ نقل فرمایاہے،وہ لکھتے ہیں:

وقد قيل: الحكمة في مخالفة تلامذته له أنه رأى صبيا يلعب في الطين فحذره من السقوط، فأجابه بأن: احذر أنت السقوط، فإن في سقوط العالم سقوط العالم، فحينئذ قال لأصحابه: إن توجه لكم دليل فقولوا به.[۲]

ترجمہ:"بعض علماء فرماتے ہیں کہ:امام صاحب کے شاگردوں کاآپ کے ساتھ اختلاف کرنے میں پنہاں حکمت یہ تھی کہ:ایک مرتبہ آپؒ نے ایک بچے کو گارے میں کھیلتے ہوئے دیکھ کر تنبیہ کی کہ کہیں گرنہ پڑے،توبچے نے جواب دیاکہ:خود کو پھسلنے سے محفوظ رکھو(میری فکرمت کرو)کیونکہ عالم کے گرنے (خطاہونے)سے عالَم گرتا(ویران ہوتا)ہے۔چنانچہ آپ نے اس وقت اپنے ساتھیوں سے فرمایاکہ: اگرآپ کوکوئی دلیل معلوم ہوتواسے اختیار کرو(تاکہ حق تک رسائی ہوسکے)۔

---

۱ الفقيه والمتفقه،بَابُ الْقَوْلِ فِي السُّؤَالِ عَنِ الْحَادِثَةِ وَالْكَلَامِ فِيهَا قَبْلَ وُقُوعِهَا،ج۲،ص۲۷۔

۲ رد المحتار،مقدمة،ج۱،ص٦٦۔

عالم کے لئے سوچ سمجھ کر کام کرنے کی اہمیت

واضح رہے کہ یہاں تو غلطی اور کوتاہی کا ذکر ہوا کہ اس بنیاد پر کوئی عالم دین کوئی ناجائز اقدام کرے اور عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے کہ کوتاہی کی بنیاد پر غلط اقدام کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے معاشرے کے مختلف افراد کا عمل یا نظریہ متاثر ہو جاتا ہے، لیکن ضروری نہیں ہے کہ غلط اقدام کا منشا کوتاہی ہی ہو، چنانچہ بسااوقات نیک نیتی کے ساتھ بھی کوئی کام کیا جاتا ہے یا کوئی موقف اپنایا جاتا ہے، بعد میں اس کے خلاف دلیل واضح ہو جاتی ہے تو یہ عالم دین اس دلیل کی بنیاد پر سابقہ موقف سے رجوع کرتا ہے لیکن جن لوگوں نے اس کی پہلی بات پر اعتماد کر کے قبول کیا تھا، ان سب تک رجوع کی بات نہیں پہنچ پاتی، اس لئے وہ اسی گزشتہ موقف کے مطابق کام کرتے رہتے ہیں۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ عالم دین کے لئے کسی بھی مسئلہ میں سوچ سمجھ کر ہی کوئی موقف اپنالینا چاہئے، جلد بازی اور عجلت میں کوئی موقف اپنانا یا اجتماعی مسائل کا فیصلہ کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے بلکہ اس میں قوی اندیشہ ہے کہ لوگوں کے پھسلنے کا ذریعہ بن جائے۔

علامہ شاطبی رحمہ اللہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

وعن ابن عباس: "ويل للأتباع من عثرات العالم. قيل: كيف ذلك؟ قال: يقول العالم شيئا برأيه، ثم يجد من هو أعلم برسول الله صلى الله عليه وسلم منه؛ فيترك قوله ذلك، ثم يمضي الأتباع".[1]

---

[1] الموافقات، كتاب الأدلة الشرعية، الفصل الخامس: في البيان والإجمال، ج٤، ص٩٠.

ترجمہ: "حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: عالم کی غلطیوں کی اتباع کرنے والے (پیچھے پڑنے والے) ہلاک ہو۔ لوگوں نے عرض کیا کیوں؟ فرمایا: عالم اپنے رائے سے کوئی بات کہتا ہے، پھر وہ اپنے آپ سے زیادہ آپ ﷺ کی احادیث (دین) کا ماہر دیکھ کر اپنی رائے بدلتا ہے (اس سے رجوع کرتا ہے) اور متبعین اس کی پرانی بات کو لے کر عمل کرنے لگتے ہیں"۔

دوسری ذمہ داری

علماء کرام کی دوسری بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ: لوگوں تک دینی تعلیمات پہنچائیں، ان کو اپنے دین کے احکام وہدایات سے روشناس کرائیں، اس حوالہ سے ان کی رہبری کرتے رہیں۔

اس ذمہ داری کی اصل واساس

اس ذمہ داری کا اصل واساس تو وہ تمام نصوص ہیں جن میں دین کی "تعلیم"، "تبلیغ" یا "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کا حکم دیا گیا ہے یا ان کی ترغیب دی گئی ہے، البتہ اس باب میں کچھ خاص نصوص بھی وارد ہوئی ہیں، چنانچہ "مجمع الزوائد" میں "معجم کبیر" سے نقل ہے کہ:

«خَطَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَأَثْنَى عَلَى طَوَائِفَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا، ثُمَّ قَالَ: " مَا بَالُ أَقْوَامٍ لَا يُفَقِّهُونَ جِيرَانَهُمْ، وَلَا يُعَلِّمُونَهُمْ، وَلَا يَعِظُونَهُمْ، وَلَا يَأْمُرُونَهُمْ، وَلَا يَنْهَوْنَهُمْ. وَمَا بَالُ أَقْوَامٍ لَا يَتَعَلَّمُونَ مِنْ جِيرَانِهِمْ، وَلَا يَتَفَقَّهُونَ، وَلَا يَتَّعِظُونَ. وَاللهُ لَيُعَلِّمَنَّ قَوْمٌ جِيرَانَهُمْ، وَيُفَقِّهُونَهُمْ وَيَعِظُونَهُمْ،

وَيَأْمُرُونَهُمْ، وَيَنْهَوْنَهُمْ، وَلْيَتَعَلَّمَنَّ قَوْمٌ مِنْ جِيرَانِهِمْ، وَيَتَفَقَّهُونَ، وَيَتَفَطَّنُونَ، أَوْ لَأُعَاجِلَنَّهُمُ الْعُقُوبَةَ".

ترجمہ: "ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور مسلمانوں کے کچھ گروہوں کی اچھائی کا ذکر فرمایا، پھر فرمایا: "ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اپنے پڑوسیوں کو دین کی سمجھ نہیں دیتے، انہیں تعلیم نہیں دیتے، انہیں نصیحت نہیں کرتے، نیکی کا حکم نہیں کرتے اور برائی سے نہیں روکتے؟ اور ان لوگوں کا کیا انجام ہو گا جو اپنے پڑوسیوں سے علم حاصل نہیں کرتے، دین کی سمجھ نہیں بڑھاتے اور نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ اللہ کی قسم! لوگ ضرور اپنے پڑوسیوں کو دین کی تعلیم دیں، انہیں سمجھائیں، نصیحت کریں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، اور ضرور اپنے پڑوسیوں سے دین سیکھیں، دین کی سمجھ حاصل کریں گے اور نصیحت پائیں ورنہ جلد اسے سزا دوں گا"۔

علامہ نور الدین ہیثمی رحمہ اللہ اس کو نقل کرنے کے بعد اس کی حیثیت پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ، وَفِيهِ بُكَيْرُ بْنُ مَعْرُوفٍ، قَالَ الْبُخَارِيُّ: ارْمِ بِهِ. وَوَثَّقَهُ أَحْمَدُ فِي رِوَايَةٍ، وَضَعَّفَهُ فِي أُخْرَىٰ. وَقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ: أَرْجُو أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ.[1]

اس روایت میں پہلے تو ان لوگوں پر نکیر فرمائی گئی جو اپنے پڑوسیوں کو دین کی تعلیمات سکھاتے سمجھاتے نہیں، ان لوگوں کی بھی مذمت فرمائی گئی جو اپنے پڑوسیوں سے اس باب میں استفادہ نہیں کرتے، ان سے اپنی دینی تعلیمات کے سمجھنے سیکھنے میں

---

[1] مجمع الزوائد، کتاب العلم، باب [illegible]

کوتاہی برتتے ہیں، اس کے بعد ان دونوں کوتاہیوں کو ختم کرنے کا تاکیدی حکم فرمایا اور ساتھ ان کو سزا کی وعید سنائی گئی۔ ظاہر ہے کہ دین کی باتیں سمجھانا، سکھلانا تو اہل علم ہی کا کام ہے، روایت مبارکہ سے اہل علم کی ذمہ داری بھی واضح ہو جاتی ہے کہ (کم از کم) آس پاس کے لوگوں کو دینی تعلیمات سے باخبر رکھنا ان کی ذمہ داری ہے، عوام کی بھی ذمہ داری واضح ہو جاتی ہے کہ اہل علم سے سیکھنا، ان کی بات پر اعتماد کرنا اور پھر ان پر عمل کرنا ان کا فریضہ ہے۔

دینی تعلیمات پہنچانے میں عصری کوتاہیاں

مذکورہ حدیث شریف سے دینی تعلیمات کا حقیقی اور مناسب طریقہ واضح ہو جاتا ہے، چنانچہ اس روایت میں پانچ کاموں کے نہ کرنے پر نکیر فرمائی گئی ہے:

۱: پڑوسیوں کو دین واسلام کی سمجھ بوجھ والا نہ بنانا۔

۲: ان کو دینی احکام کی تعلیم نہ دینا۔

۳: ان کو وعظ و نصیحت نہ کرنا۔

۴: ان کو نیکیوں کا حکم نہ دینا۔

۵: ان کو برائیوں سے نہ روکنا۔

ان باتوں پر نکیر کرنے کا مطلب یہی ہے کہ ان سے بچنا ضروری ہے، شریعت کی نظر میں یہ امور ناپسندیدہ ہیں، جب یہ امور قابل نکیر ہیں تو ان کے مخالف امور (اضداد) ضرور مستحسن و مامور بہ ہوں گے۔ اس سے شریعت کا نقطہ نظر معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ان کی نظر میں دینی تعلیمات پہنچانے کا طریقہ کیا ہے؟

ہمارے ہاں اس سلسلہ میں بعض لوگ تفریط کے شکار ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شریعت کا حکم پہنچانا اور سنانا کافی ہے، چاہے وہ کسی بھی طریقے اور کسی بھی اسلوب

کے ساتھ ہو، گویا محض طوطی کی طرح شریعت کی بات پہنچانا کافی ہے، مخاطب اس کو سمجھے اور اس کا اطمینان ہو جائے یا نہیں۔

بعض لوگ دوسری طرف انتہاء میں جاکر افراط کرتے ہیں، وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہر بات ہر موقع پر منوا کر رہنا ضروری ہے، ورنہ اس کے بغیر دینی تعلیمات پہنچانے کا فریضہ پورا نہیں ہوگا۔ یہ دونوں رویّے غلط اور قابل اصلاح ہیں، متوازن طریقہ یہ ہے کہ:

۱: خیر خواہی کے جذبے سے دین کا حکم پہنچائے۔

۲: پہلے نرمی کے ساتھ ہو، اس سے کام نہ چلے اور ضرورت ہو تو بقدرِ ضرورت سختی کے ساتھ بات کی جائے۔

۳: مخاطب اور ماحول کے تقاضوں کے مطابق مؤثر اور دلنشین انداز اختیار کیا جائے۔

۴: ضرورت یا مصلحت متقاضی ہو تو دینی حکم پر عمل کرنے کے فوائد و مضرات اور نافرمانی کرنے کے نقصانات بھی بتائے جائیں۔[1]

---

[1] یہ دراصل "دعوت دین" اور "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کا حصہ ہے اور یہاں جو ذکر کیا گیا ہے، یہ اسی دعوت دین اور امر بالمعروف کے بعض ضوابط ہیں، اس موضوع کی پوری تفصیل کے لئے اللہ تعالیٰ کے اس ناکارہ بندے کی کتاب "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بنیادی اصول وضوابط اور متعلقہ احکام ومسائل" کی طرف مراجعت فرمائی جاسکتی ہے۔

عوام کی ذمہ داری اور عصری کوتاہی

اسی حدیث شریف کے دوسرے جملے میں اس حوالہ سے عوام سے متعلق جو نکیر اور پھر وعید بیان فرمائی گئی ہے، اس سے عوام کا اصل فریضہ بھی واضح ہو جاتا ہے، چنانچہ اس میں عوام کے تین کاموں پر نکیر فرمائی گئی ہے:

ا: اپنے پڑوس کے علماء سے دین کی باتیں نہ سیکھنا۔

۲: (ان اہل علم سے) دین کی سمجھ حاصل نہ کرنا۔

۳: ان کے وعظ و نصیحت کو قبول نہ کرنا۔

حدیث کے آخری حصہ میں جن تین امور کے چھوڑنے پر وعید ارشاد فرمائی گئی ہے، ان میں تیسرے نمبر پر ایک اور چیز بھی ارشاد فرمائی گئی ہے، فرمایا "یَتَفَطَّنُونَ" تفطن کسی چیز سمجھنے، تاڑنے اور زیرک وہوشیار بننے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، یہاں حدیث شریف میں مادی اور دنیوی امور میں ہوشیاری مراد نہیں ہے جو انسان کو خود ہی حاصل ہوتی ہے، بلکہ دینی امور اور اخروی کاموں کی ہوشیاری ہی مراد ہے۔

علماء سے متعلق عوام کی اہم ذمہ داریوں میں سے یہ چیزیں ہیں۔ اس سلسلہ میں بھی ہمارے ہاں اعتدال و توازن نہ ہونے کے برابر ہے، چنانچہ:

الف: اس وقت عام معاشرہ تو مختلف عناصر کی وجہ سے حضرات علماء کرام کی واقعی اہمیت سے ہی غافل ہیں، وہ علماء کرام کی طرف جانے اور ان سے کچھ سیکھنے سننے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔

ب: بعض بے نصیب یا کم نصیب لوگ ان سے بد ظن اور ان کے بارے میں بد اعتمادی کے بھی شکار ہیں۔

ج: کچھ بد قسمت لوگ اس سے بڑھ کر ان کی حقارت کے در پے ہیں، بہر حال ایک طرف تو یہ اس قسم کے لوگوں کے رویے ہیں جو ظاہر ہیں کہ ہر لحاظ سے غلط اور انجام کار خطرناک ہیں۔

دوسری طرف مسلمانوں کا جو طبقہ حضرات علماء کرام کا قدر دان اور ان کے مقام سے کسی حد تک شناساں ہے، وہ بھی عموماً صرف ادب واحترام بجالانے پر ہی اکتفاء کرتا ہے، ان سے دین کی باتیں سیکھنے سمجھنے کی کچھ زیادہ اہمیت محسوس نہیں کرتے، دین کا مزاج ومقصود سیکھنے کی ضرورت خیال نہیں کرتے، کوئی بہت ہی دین دار اور قدرداں ہو تو دین نہیں بس دین کے کچھ اجزا مثلاً نماز، روزہ وغیرہ سے متعلقہ احکام ومسائل سیکھنے پر قناعت کرتا ہے۔

تیسری ذمہ داری

حضرت علماء کرام کی تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ "مقاصدِ نبوت" کو اپنے "مقاصد زندگی" بنائیں۔

اس ذمہ داری کی اصل واساس

اس ذمہ داری کی اصل واساس دو قسم کے نصوص ہیں، ایک قسم ان نصوص کی ہے جن میں حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت کے مقاصد ذکر فرمائے گئے ہیں، مثال کے طور پر ارشاد خداوندی ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾[1]

---

[1] سورة عمران، ایت ١٦٤۔

ترجمہ: "اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے جو انہیں میں سے رسول بھیجا ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے"۔

حضرت ابو الدرداء عرض کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

"إنَّ العلماءَ ورثةُ الأنبياء، وإن الأنبياءَ لم يُورِّثُوا ديناراً ولا دِرْهماً، إنما ورَّثُوا العِلْمَ، فمن أخَذَه أخَذَ بحظٍّ وافرٍ"[1]

ترجمہ: علماء ہی نبیوں کے وارث ہیں اور نبیوں نے دینار اور درہم وراثت میں نہیں چھوڑے، ان کی وراثت صرف علم ہے، پس جس نے اسے لیا اس نے بڑا حصہ پالیا۔

"موطا امام مالک" میں حضور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی روایت ہے:

«بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ».[2]

ترجمہ: "میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں"۔

یہاں اچھے اخلاق کی تکمیل حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی بعثت کے مقصود کے طور پر ذکر فرمایا، یہ تکمیل اگر علمی اور نظریاتی حد تک ہو تو "تعلیم" میں داخل ہے اور اگر عملی سطح پر ہو تو "تزکیہ" ہے، یہ دونوں کام درج بالا آیت کریمہ میں مذکور و منصوص ہیں۔

---

[1] سنن ترمذی، ابواب العلم، باب ما جاء في فضل الفقه على العبادة، ج٤، ص٣٤٦۔

[2] موطأ مالك، كتاب القدر، حسن الخلق، ج٥، ص١٣٣٠۔

علامہ شاطبی رحمہ اللہ کی تحقیق

علامہ ابو اسحاق شاطبی رحمہ اللہ نے اپنی مفید کتاب "موافقات" میں اس ایک جگہ بڑی پُر مغز گفتگو فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں:

وذلك أن العالم وارث النبي؛ فالبيان في حقه لا بد منه من حيث هو عالم، والدليل على ذلك أمران:

ترجمہ: "عالم نبی کریم ﷺ کا وارث ہے، پس عالم ہونے کی حیثیت سے دین کی صحیح ترجمانی اس کی ذمہ داری ہے اس کے دو دلائل ہیں"۔

اس دعوی کی پہلی دلیل یہ ذکر فرمائی ہے:

أحدهما: ما ثبت من كون العلماء ورثة الأنبياء، وهو معنى صحيح ثابت، ويلزم من كونه وارثا قيامه مقام موروثه في البيان، وإذا كان البيان فرضا على المورث لزم أن يكون فرضا على الوارث أيضا.

ترجمہ: "پہلی دلیل یہ ہے کہ: علماء انبیاء کرام کے وراث ہیں، یہ صحیح حدیث ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ دین کی اشاعت میں وارث اپنے مورث کے قائم مقام ہو۔ نیز جب مورث پر بیان فرض تھا تو وارث پر بھی فرض ہونی چاہیے"۔

دوسری دلیل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والثاني: ما جاء من الأدلة على ذلك بالنسبة إلى العلماء، فقد قال: ﴿إن الذين يكتمون ما أنزلنا من البينات والهدى﴾ الآية. ﴿ولا

تلبسوا الحق بالباطل وتكتموا الحق وأنتم تعلمون﴾ ﴿ومن أظلم ممن كتم شهادة عنده من الله﴾.والآيات كثيرة.[1]

ترجمہ: "دوسری دلیل وہ آیات مبارکہ ہیں جو علماء کے بارے میں خصوصی طور پر وارد ہیں، مثلاً: باری تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی: "بیشک جو لوگ ان کھلی کھلی باتوں اور ہدایت کو جسے ہم نے نازل کردیا ہے اس کے بعد بھی چھپاتے ہیں کہ ہم نے ان کو لوگوں کے لیے کتاب میں بیان کردیا"۔ یا: "اور سچ میں جھوٹ نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ"۔ نیز: "اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو گواہی چھپائے جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے"۔

مقاصد نبوت کی تشریح

اوپر "سورۃ آل عمران" کی جو آیت کریمہ ذکر کی گئی ہے، اس میں آپ ﷺ کی مبارک زندگی کے درج ذیل تین بڑے کام ذکر فرمائے گئے ہیں:

۱: قرآن کریم کی آیات کی تلاوت کرنا۔ جس طرح قرآن کریم کے معانی ومفاہیم مقصود، اہم اور دین کا بنیادی حصہ ہے، یوں ہی اس کے الفاظ وکلمات کی تلاوت بھی مقصود، اہم اور دین کا اہم حصہ ہے، مسلمانوں پر اس کی حفاظت کرنا بھی ضروری ہے، اس کو کمی بیشی اور تحریف لفظی کے جملہ اصناف واقسام سے حفاظت کے ساتھ اگلی پشت کو پہنچانا لازم ہے، نماز میں ایک خاص حد تک اس کی تلاوت کرنا فرض ہے، عام حالات میں اس کی تلاوت کرتے رہنا ایک اہم عبادت ہے۔

۲: لوگوں کا تزکیہ کرنا۔ "تزکیہ" لغوی لحاظ سے صفائی کرنے کے معنی میں آتا ہے، تزکیہ میں انسان کے باطن کی اصلاح ہوتی ہے، باطن کے اصلاح کا مطلب یہ

---

[1] الموافقات، كتاب الأدلة الشرعية، الفصل الخامس: في البيان والإجمال، ج٤، ص٧٦-

ہوتا ہے کہ انسان کے باطن کی کانٹ چھانٹ کر کے اس سے خلاف شریعت چیزوں کو ختم کر دیا جائے، شرعی نقطہ نظر سے جو کمزوریاں اور کوتاہیاں پائی جاتی ہیں، ان کی تلافی کی جائے اور یوں باطن کو شرعی سانچے میں ڈھال کر اس کے مطابق بنایا جائے۔

"باطن" کے عموم میں اعتقادات و نظریات بھی داخل ہیں اور اخلاق وعادات بھی، ہمارے ہاں چونکہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ ہمارا بچہ پیدا ہوتا ہی ایسے ماحول میں ہے کہ وہاں اعتقادات و نظریات درست ہوتے ہیں، ان میں شرعی تعلیمات کے خلاف کوئی عقیدہ عام طور پر نہیں پایا جاتا، اس لئے "تزکیہ" میں عام طور پر اچھے اخلاق کی تکمیل ہی ہدف ہوتا ہے، ورنہ تو جس طرح اخلاق کی درستگی ضروری ہے، یوں ہی نظریات کی اصلاح بھی ضروری اور بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔

۳: بعثت کے کاموں میں سے تیسرا اہم کام "کتاب اور حکمت کی تعلیم" ہے، کتاب سے تو قرآن کریم ہی مراد ہے، "حکمت" کے مصداق میں ائمہ مفسرین کے اختلاف مختلف ہیں، مگر بہت سے مفسرین کرام کے نزدیک اس سے سنت رسول ﷺ کی تعلیم مراد ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کتاب و سنت کی تعلیم دینا بھی کارہائے نبوت میں سے اہم ترین کام ہے۔

مقاصد نبوت کی تکمیل کا آسان تر راستہ

اس ذمہ داری کو درست طریقے سے انجام دینے کا آسان اور بہترین راستہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی خاص کر دعوتی اور تعلیم وتربیتی پہلوؤں کو اپنے سامنے رکھا جائے اور ان کے مطابق چلنے اور چلتے رہنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔

عبرت لینے کی بات یہ ہے کہ آپ ﷺ جس معاشرے میں مبعوث ہوئے، وہاں لوگ علم وتربیت دونوں سے کوسوں دور تھے، نبوت کے ان مقاصد سے ان

کو شناسائی نہ تھی، چنانچہ وہ تعلیم کے لحاظ سے "امی" کہلاتے تھے، اخلاقی لحاظ سے "حب جاہ" ان میں عام تھا اور "کبر و تکبر" ان کا قابل فخر مشغلہ تھا، آپ ﷺ کی بعثت ان کی طرف ہوئی اور کچھ ہی عرصہ میں ان کی زندگیوں کا کایا ہی بالکل پلٹ گیا، وہ علم کے لحاظ سے بہت بلندیوں پر پہنچیں، انہوں نے ایسے بلند چوٹیوں پر علم کے جھنڈے نصب کئے جہاں ان سے پہلے کوئی نہ پہنچا تھا، اور اخلاق و تربیت کے میدان کا تو کیا کہنا، وہاں تو ان حضرات نے اتنا ممتاز مقام حاصل کیا جو لوگوں کے لئے نمونہ بنے۔

مقصود اور ضرورت کا فرق

علماء دین کی بھی ذمہ داری ہے کہ ان امور کو اپنی زندگی میں بنیادی مقصود اور اساسی ہدف کی حیثیت دیدیں، اپنی اوقات ان مقاصد کی تکمیل میں صرف کریں، اپنی صلاحیتیں اسی کام پر نچھاور کرتے رہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ علماء دین ان دینی مقاصد کے علاوہ کوئی دنیوی کام نہ کریں، بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ جو شخص سچے معنی میں "علماء دین" میں سے ہونا چاہتا ہے اور ان کی ذمہ داریاں ادا کرنا چاہتا ہے، اس کا کام یہ ہے کہ انہی "کارہائے نبوت" کو زندگی کا اصل مقصود ٹھہرائے، اپنی کامیابی ناکامی اور خوشی و ناخوشی وغیرہ چیزوں کو اسی کے ساتھ جوڑ لے، اس کے علاوہ اگر کسی دنیوی کام کاج کی ضرورت پڑتی ہے تو بلاشبہ اس کے کرنے میں مضائقہ نہیں ہے، کاروبار و تجارت یا ملازمت سے اگر چارہ کار نہ ہو تو ان کے اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، مضائقہ اگر ہے تو اس میں ہے کہ کاروبار، ملازمت جیسی چیزوں کو مقصود کا درجہ دیا جائے، اس میں اس قدر انہماک اختیار کرلے جس سے اصل مقاصد زندگی کی تکمیل میں ہی خلل آنے لگے۔

اس میں ایک غلطی تو یہ کی جاتی ہے کہ کسی بھی دنیوی کام کو علم کے تقاضوں کے خلاف تصور کیا جاتا ہے، لہٰذا اگر کوئی عالم دین کسی دنیوی کام کاج کو ہاتھ لگاتا ہے تو اس کی مذمت کی جاتی ہے اور اس کو "علماء دین" کی فہرست سے کچھ نکلا ہوا تصور کیا جاتا ہے، دوسری غلطی یہ کی جاتی ہے کہ جب بعض لوگ یہ بات سنتے ہیں کہ دنیوی کام کاج کرنا علم دین کے تقاضوں کے خلاف نہیں ہے تو وہ ضرورت بے ضرورت اس میدان میں اترنا شروع کرتے ہیں، اس میں اس قدر شغل اختیار کرتے ہیں کہ یہی ان کے رات دن کی بڑی مصروفیت اور سب سے مقدم ترجیح بن جاتی ہے، مقاصد نبوت کی تکمیل کے جذبات صرف زبانی یا ارادے کی حد تک ہی رہ جاتے ہیں، یوں دنیوی کام مقصود کا درجہ حاصل کر لیتا ہے اور دینی مقاصد ایک جزوی اور ثانوی درجہ کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔

چوتھی ذمہ داری

علماء دین کی چوتھی ذمہ داری اور ایک اہم فرضِ منصبی یہ ہے کہ اپنی استطاعت کی حد تک زمین پر دینی نظام وماحول غالب رکھیں اور لوگوں کو دین کے دائرہ کار کے اندر رکھنے کی بھرپور کوشش کرتے رہیں۔

اس ذمہ داری کی اصل واساس

اس ذمہ داری کی بنیاد متعدد نصوص ہیں، یہاں سہولت کے لئے تین نصوص ذکر کئے جاتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴾[١]

---

٢ سورة مائدة، ایت٦٣۔

ترجمہ: "ان کے فقراء اور علماء گناہ کی بات کہنے اور حرام مال کھانے سے انہیں کیوں نہیں منع کرتے، البتہ بری ہے وہ چیز جو وہ کرتے ہیں"۔

اسی کے چند آیت بعد ایک دوسری آیت کریمہ ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ﴾۔[1]

ترجمہ: "اور اگر وہ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے اور اس کو جو ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے تو اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کھاتے، کچھ لوگ ان میں سیدھی راہ پر ہیں اور اکثر ان میں سے برے کام کر رہے ہیں"۔

تورات وانجیل اور نازل ہونے والی وحی کو قائم رکھنے کی صورت یہی ہے کہ دین کے تمام احکام وتعلیمات کو زمین پر زندہ وغالب رکھا جائے، آیت مبارکہ کے آخری حصہ سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے اس باب میں کوتاہی وکمزوری سے کام لیا، انہوں نے برا کام کیا۔ یہ ان کی مذمت ہے جس سے اس کوتاہی کی مذمت، کراہت اور ممانعت مترشح ہو رہی ہے، اور جب کسی چیز کی مذمت وممانعت کی جاتی ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا متضاد پہلو مطلوب ہے۔

"دوسری ذمہ داری" کے تحت جو روایت ذکر کی گئی تھی، وہ بھی اس سلسلہ میں پیش نظر رکھنا مفید ہے، وہ روایت یہ ہے:

«خَطَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَأَثْنَى عَلَى طَوَائِفَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا، ثُمَّ قَالَ: " مَا بَالُ أَقْوَامٍ لَا يُفَقِّهُونَ

---

[1] ایضاً۔

جِيرَانَهُمْ، وَلَا يُعَلِّمُونَهُمْ، وَلَا يَعِظُونَهُمْ، وَلَا يَأْمُرُونَهُمْ، وَلَا يَنْهَوْنَهُمْ. وَمَا بَالُ أَقْوَامٍ لَا يَتَعَلَّمُونَ مِنْ جِيرَانِهِمْ، وَلَا يَتَفَقَّهُونَ، وَلَا يَتَّعِظُونَ. وَاللّٰهِ لَيُعَلِّمَنَّ قَوْمٌ جِيرَانَهُمْ، وَيُفَقِّهُونَهُمْ وَيَعِظُونَهُمْ، وَيَأْمُرُونَهُمْ، وَيَنْهَوْنَهُمْ، وَلْيَتَعَلَّمَنَّ قَوْمٌ مِنْ جِيرَانِهِمْ، وَيَتَفَقَّهُونَ، وَيَتَفَطَّنُونَ، أَوْ لَأُعَاجِلَنَّهُمُ الْعُقُوبَةَ "۔[1]

ترجمہ: "ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور مسلمانوں کے کچھ گروہوں کی اچھائی کا ذکر فرمایا، پھر فرمایا: "ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اپنے پڑوسیوں کو دین کی سمجھ نہیں دیتے، انہیں تعلیم نہیں دیتے، انہیں نصیحت نہیں کرتے، نیکی کا حکم نہیں کرتے اور برائی سے نہیں روکتے؟ اور ان لوگوں کا کیا انجام ہوگا جو اپنے پڑوسیوں سے علم حاصل نہیں کرتے، دین کی سمجھ نہیں بڑھاتے اور نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ اللہ کی قسم! لوگ ضرور اپنے پڑوسیوں کو دین کی تعلیم دیں، انہیں سمجھائیں، نصیحت کریں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، اور ضرور اپنے پڑوسیوں سے دین سیکھیں، دین کی سمجھ حاصل کریں گے اور نصیحت پائیں ورنہ جلد اسے سزا دوں گا"۔

دینی ماحول پیدا کرنے کی اہمیت

دین کا حکم، سنانے پہنچانے اور دینی ماحول پیدا کرنے میں بہت بڑا فرق ہے، انسان سنتے ہی کسی بات پر عمل نہیں کرتا بلکہ کسی بھی اقدام میں اس کی ذہنی قوتوں اور مزاج وطبیعت، دونوں کا اہم کردار ہوتا ہے، اس لئے آئے روز کا مشاہدہ ہے کہ ایک

---

۱ مجمع الزوائد، کتاب العلم، باب فیما ینبغي للعالم والجاهل، ج۱، ص۱٦٤۔

چیز کو جانتے ہیں، اچھا بھی خیال کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود جان بوجھ کر اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ایک چیز کو ہر لحاظ سے نامناسب اور غلط تصور کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی بسا اوقات لوگ اس کے کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

اس لئے اگر انسانیت کی تخلیق کا مقصد خدا تعالیٰ کی بندگی اور اس کے احکام کی تعمیل و فرمان برداری ہے اور حضرات علماء کرام کی ذمہ داری اس باب میں لوگوں کی رہبری اور قیادت ہے تو اس کے لئے صرف زبانی طور پر احکام کی تبلیغ و تلقین کسی طرح کافی نہیں ہو سکتی، جب تک ماحول و معاشرے میں دینی ماحول کا غلبہ نہ ہو، تب تک تمام لوگوں کا دین کی تعلیمات پر چلنا اور اسی کے سانچے میں اپنی پوری زندگی ڈھالنا بہت مشکل ہے۔

ضروری نہیں کہ لوگ بے دینی اور دین بیزاری وغیرہ کے جذبات سے ہی دینی تعلیمات کی خلاف ورزی کریں، بلکہ بسا اوقات اچھے جذبات کے باوجود بھی دینی تعلیمات پر عمل کرنا مشکل ہو جاتا ہے، مثال کے طور پر اس وقت بے حیائی اور بے پردگی کا دور دورہ ہے، کوئی بد نظری سے بچنا بھی چاہے تو بھی سوشل میڈیا، انٹرنیٹ کے استعمال کرتے وقت یا یوں ہی بازار، سیر وسیاحت کے مقامات پر جاتے ہوئے اس کا ارتکاب ہو ہی جاتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ انسانیت کے مختلف طبقات ہیں:

۱: بعض لوگوں کی عقل و طبیعت دونوں پر دینی رجحانات غالب ہوتے ہیں، ساتھ دین کا علم بھی رکھتے ہیں، وہ انفرادی حد تک کہیں گناہ کے شکار نہیں ہوتے، کہیں گناہ کا ارتکاب ہو بھی جائے تو بھی توبہ کر کے واپس ہو جاتے ہیں۔

۲: بعض لوگ نظریاتی لحاظ سے تو ہوتے مسلمان ہیں، لیکن طبیعت میں دینی رجحانات راسخ نہیں ہوتے۔ اس لئے وہ ماحول سے اثر لے کر رفتہ رفتہ اس کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔

۳: بعض لوگوں کی طبیعت ہی میں فساد کا غلبہ ہوتا ہے، ان کے لئے ماحول سے اثر لینے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ان کی طبیعت خود ہی ان کے مختلف قسم کے منکرات پر ابھارتی بلکہ مجبور کرتی ہے، وہ اپنی طبیعت و نفوس کے ہاتھوں مجبور سے ہوتے ہیں اور اسی بنیاد پر مختلف قسم کے فسادات انجام دیتے ہیں، اس لحاظ سے وہ ماحول کو بھی مکدر کرتے ہیں۔

اب اگر ماحول میں دین نہ ہو تو صرف پہلے ہی قسم کے خوش نصیب لوگ ہیں جو دینی تعلیمات کی پابندی کی سعادت حاصل کر لیتے ہیں، حالانکہ مجموعی معاشرے کے لحاظ سے ایسے افراد کی تعداد کم اور بہت کم ہوتی ہے، لوگوں کی اکثریت کا تعلق باقی دو طبقات کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دین داری کی سعادت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرما کر جو خالص دینی ریاست قائم فرمائی، اس کا ایک بڑا راز اور عظیم فائدہ یہ بھی تھا کہ لوگوں کو خدا تعالیٰ کے ساتھ جوڑنا اور اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ان کو لے کر چلنا اس وقت تک متصور نہیں ہے جب تک ان کو دینی ماحول نہ دیا جائے، صحیح معنی میں اسلامی معاشرے کی تشکیل ہو تو سچی بات یہ ہے کہ وہاں معاصی و فسادات کی جڑیں کٹ جاتی ہیں جن کی وجہ سے معاشرے میں معاصی و فسادت کا غلبہ نہیں ہوتا، یاد رہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایسے معاشرے کے سارے لوگ فرشتے بن جاتے ہیں اور ان سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا، ایسا بالکل نہیں ہے، مقصود یہ ہے کہ بہت سے گناہ تو اپنے آپ ہی ختم ہو جاتے ہیں، بعض

گناہوں کا اگر ایسے معاشرے میں ارتکاب ہوتا بھی ہے تو بھی پائیدار اور طاقتور انداز میں نہیں ہوتا جو معاشرے پر اثر انداز ہو۔[1]

---

[1] اس کی بقدرِ ضرورت تفصیل اس ناکارہ کی کتاب "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" میں مذکور ہے، وہاں اس بات کی تحقیق کی گئی ہے کہ نہی عن المنکر کی بہترین اور پائیدار شکل یہ ہے کہ کسی خاص منکر کے نکیر کرنے پر قناعت نہ کی جائے بلکہ ایک دینی و اسلامی ماحول تشکیل دیا جائے، اس کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے۔

فصل دوم: علماء کرام کے حقوق

حضرات علماء کرام چونکہ یقیناً مسلمان ہی ہوتے ہیں، اس لئے ان کو وہ تمام حقوق حاصل ہیں جو اسلامی حقوق / حقوق مسلم کہلاتے ہیں، اس کے ساتھ اہل علم بھی دیگر انسانوں کی طرح معاشرے میں رہتے ہیں، مختلف لوگوں کے ساتھ مختلف قسم کے رشتے اور تعلقات رکھتے ہیں، کسی کا والد ہے، کسی کا شوہر ہے، کسی کا بیٹا یا بھائی ہے تو کسی کا پڑوسی وغیرہ۔ غرض دیگر تمام مسلمانوں کی طرح علماء دین بھی ہیں جن افراد کے ساتھ جس قسم کا ربط ورشتہ ہوتا ہے، اس سے متعلق تمام حقوق وذمہ داریاں بھی ساتھ عائد ہوتی ہیں۔

ان باتوں کے علاوہ کچھ اور حقوق بھی ہیں جو محض مسلمان ہونے یا کسی نسبی رشتہ وغیرہ جیسے عناصر کی بنیاد پر نہیں بلکہ خاص "علم دین" کی بنیاد پر ہی حاصل ہوتے ہیں، انہی کو یہاں "علماء کے حقوق" کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے۔

عام مسلمانوں کے ذمہ علماء کرام کے بنیادی طور پر درج ذیل حقوق عائد ہوتے ہیں:

۱: ان کے ساتھ محبت رکھنا۔

۲: ان کا اکرام وتعظیم کرنا

۳: ان پر اعتماد کرنا

۴: ان سے دین سیکھنا اور ان کی طرف رجوع کرنا

ان حقوق کی اصل واساس

متعدد نصوص سے یہ حقوق معلوم ہوتے ہیں:

الف::جن نصوص میں علم اور علماء کرام کی فضیلت واہمیت بیان فرمائی گئی ہے۔ فضیلت بتلانے کا مقصد ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی پسندیدگی کا اظہار ہے، اس سے مسلمانوں کو بھی سبق ملتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے ہاں ان حضرات کا یہ مقام ومرتبہ ہے اور وہ ان سے محبت کرتے ہیں تو تم بھی ان سے محبت رکھو، ان کی تعظیم واکرام کرو اور ان کے قدر شناس بنو۔

ب::جن نصوص میں حضرات علماء کرام کو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے وارث قرار دیئے گئے ہیں۔ ان نصوص سے استدلال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وراثت صرف ذمہ داریوں ہی میں نہیں ہوتی بلکہ حقوق میں بھی ہوتی ہے، نیز جن امور میں ان کو وارث فرمایا گیا ہے، ان کے مقاصد کو پائیدار طریقے سے تبھی حاصل کیا جاسکتا ہے جبکہ یہ حقوق ان کو حاصل ہو۔

ج:جن نصوص میں اہل علم سے پوچھنے کا حکم دیا گیا ہے، ان سے استدلال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر اہل علم پر اعتماد نہ ہو، ان کی بات پر اطمینان نہ ہو اور پوچھ کر ان کی بات پر عمل نہ کیا جائے تو اس پوچھنے کا کیا غرض؟ اور کیا فائدہ؟

د:جن نصوص میں شعائر اللہ کی تعظیم وادب کرنے کا ذکر ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے "حجۃ اللہ" میں چار چیزوں کو "شعائر اللہ" لکھا ہے:

۱:قرآن کریم۔

۲:کعبہ معظمہ۔

۳:نبی کریم ﷺ۔

۴: نماز:-

پھر حضور نبی کریم ﷺ کے "شعائر اللہ" میں سے ہونے کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

وأما النبي فلم يسم مرسلا إلا تشبيها برسل الملوك إلى رعاياهم مخبرين بأمرهم ونهيهم، ولم يوجب عليهم طاعتهم إلا بعد مساوقة تعظيمهم لتعظيم المرسل عندهم، فمن تعظيم النبي وجوب طاعته، والصلاة عليه، وترك الجهر عليه بالقول.[1]

یاد رہے کہ یہاں حصر مقصود نہیں ہے بلکہ مثال کے طور پر چند اہم اور نمایاں شعائر کا ذکر کیا گیا، چنانچہ خود حضرت شاہ صاحب کی عبارت یہ ہے کہ:

ومعظم شعار الله أربعة.[2]

علماءِ کرام بھی شعائر میں داخل ہیں، ایک تو اس لئے کہ ان کو "نبوت کی وراثت" نصیب ہے، دوسرا اس لئے کہ خود شعائر کا مفہوم و مقصود ان میں پایا جاتا ہے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَوْلِيَاءُ اللهِ؟ قَالَ: «الَّذِينَ إِذَا رُءُوا ذُكِرَ اللهُ».[3]

ترجمہ: "نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے دوست کون لوگ ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جن کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آتا ہے"۔

---

[1] حجة الله البالغة، باب أسرار الوضوء والغسل، ج۱، ص۱۳۴۔

[2] حجة الله البالغة، باب أسرار الوضوء والغسل، ج۱، ص۱۳۳۔

[3] السنن الكبرى، سورة يونس، ج۱۰، ص۱۲۴۔

بعض ایسے نصوص بھی ہیں جن میں خاص اہل علم کے حقوق کا ذکر ہے، مثال کے طور پر:

۱: "سنن ابی داود" میں حضرت ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللهِ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ، وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِي فِيهِ وَالْجَافِي عَنْهُ، وَإِكْرَامَ ذِي السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ».[1]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کی تعظیم یہ بھی ہے کہ بوڑھے مسلمان، اور قرآن پڑھنے پڑھانے والے کی، جو اس میں غلو نہ کرتا ہو اور نہ اسے ترک کرتا ہو اور عادل حاکم کی عزت کی جائے"۔

۲: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"البركة مع أكابركم".[2]

ترجمہ: "برکت تمہارے بڑوں کے ساتھ ہے"۔

۳: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«ليس منا من لم يجل كبيرنا، ويرحم صغيرنا، ويعرف لعالمنا».[3]

---

[1] سنن ابي داود، كتاب الأدب، باب في تنزيل الناس منازلهم، ج٤، ص٢٦١-

[2] صحيح ابن حبان، كتاب البرّ والاحسان، باب الصحبة والمجالسة، ذكر استحباب التبرك للمرء بعشرة مشايخ أهل الدين والعقل، ج٢، ص٣١٩-

[3] المستدرك، كتاب العلم، فصل: في توقير العالم، ج١، ص٢١١-

ترجمہ:"جو شخص ہمارے بڑوں کی عزت، چھوٹوں پر شفقت اور عالم کا مقام نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں"۔

۴: حضرت ابو امامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«ثلاثة لا يستخف بحقهم إلا منافق، إمام مقسط، وذو الشيبة في الإسلام، وذو العلم»[1]۔

ترجمہ: تین اشخاص ہیں جن کے حقوق کسی منافق کے علاوہ کوئی حقیر نہیں سمجھتا، عادل حکمران اور اسلام میں عمر رسیدہ شخص اور عالم دین۔

علماء کرام کے حقوق اور ہمارا معاشرہ

علماء کرام کے ان حقوق سے متعلق ہمارے ہاں کوتاہی بہت ہی عام ہو رہی ہے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ ایسا سب کچھ ایک منصوبہ کے تحت کروایا جاتا ہے، ایک طبقہ اس کو ہدف بنایا ہوا ہے اور اس پر اپنے بھرے خزانے لٹا رہا ہے، چنانچہ آئے دن دیکھنے کی بات ہے کہ علمائے کرام کے طبقے کے کسی فرد سے کوئی معمولی سی ایسی غلطی نظر آئے تو اس کو بنیاد بنا کر رائے عامہ ان کے خلاف کرانے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے، اس طبقہ کا جب جائزہ لیا جاتا ہے تو بال کی کھال اتارتے ہیں اور بات کا بتنگڑ بناتے ہیں لیکن جس ایک غلطی کو بنیاد بنا کر اتنا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے، اس جیسے سینکڑوں غلطیاں دوسرے طبقات میں آئے دن ہوتے رہتے ہیں لیکن نہ کوئی روکنے ٹوکنے والا ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی شہرت دینے والا۔

---

[1] الأموال لابن زنجويه، باب: ما يستحب من توقير أئمة العدل وتعزيزهم، ج۱، ص۸۷۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اسلامی معاشرے کے ہر فرد میں اس بات کا شعور پیدا کریں کہ وہ ان حقوق کو پہچان لے، ان کی پابندی کرے اور عام معاشرتی سطح پر ان حقوق کی پاسداری کا ماحول بنائیں۔

باب سوم:

- ❖ علماء سے تعلق کی ناہمواری اسباب و تدارک، نتائج و مضمرات
- ❖ اہل علم کی کوتاہیاں
- ❖ علماء کرام سے بے زاری کے نتائج و مضمرات

علماء سے تعلق کی ناہمواری اسباب و تدارک۔ نتائج و مضمرات

علماء کے حقوق اور معاشرے کی عملی روِش

پچھلے باب میں اہل علم کی ان ذمہ داریوں کا ذکر کیا گیا ہے جو عام مسلمان اور معاشرے کی جانب سے ان پر عائد ہوتی ہیں، اسی باب کے دوسرے فصل میں ان حقوق کا ذکر کیا گیا ہے جو علماء کرام کے ہیں اور عوام اور معاشرہ ان کا مخاطب ہیں۔

ایک درد مند مسلمان جب ان حقوق کو دیکھتا ہے اور پھر مسلمان معاشرے کی عملی صورت حال کا جائزہ لیتا ہے تو افسوسناک نتیجہ ظاہر ہوتا ہے، شریعت نے حضرات علمائے کرام کے جو حقوق متعین فرمائے ہیں، معاشرہ ان سے بہت ہی منحرف ہے، مسلمانوں کی اکثریت ان سے یا تو ناواقف ہے اور یا ان کی خلاف ورزی کررہی ہیں۔

جب اس صورت حال کے اسباب و وجوہات کا سوال اٹھایا جاتا ہے تو دونوں طبقات اس ساری صورت حال کی ذمہ داری دوسرے ہی طبقے پر ڈالتے ہیں، حضرات علماء کرام کے ساتھ وابستہ افراد ساری ذمہ داری معاشرے پر ڈالتے ہیں کہ وہ بلاوجہ علماء کرام سے برگشتہ ہوجاتے ہیں، اور انحراف کا راستہ اپنانے والے افراد اس پورے منظرنامے کا نزلہ حضرات علمائے کرام ہی پر ڈالتے ہیں کہ وہ فلاں فلاں کام کرتے ہیں اور ان کی وجہ سے لوگ ان سے بجاطور پر متنفر ہوجاتے ہیں۔

یہ ناکارہ بھی اس منظرنامے پر غور وخوض کرتا رہاہے،اس کے اسباب معلوم کرنے کی بھی کوشش کی ہے اوراس کے نتائج وعواقب بھی زیر غور رہے ہیں، یہاں اس غور وفکر کا خاصل لکھا جاتا ہے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ منظرنامے کے اس حد تک پہنچنے میں دونوں طبقات کا کسی نہ کسی حد تک دخل ہے اور صرف ان دونوں طبقات ہی کا نہیں، بلکہ بعض دیگر طاقتوں کا بھی اس میں اپنا حصہ رہاہے، یہاں ان دونوں طبقات کی وہ بنیادی کوتاہیاں ذکر کی جارہی ہیں جن کی وجہ سے یہاں تک نوبت پہنچی ہے جس کی وجہ سے اہل دل اور ارباب فکر و نظر پریشان حال رہتے ہیں۔

پیشگی معذرت

میں خود چونکہ عالم نہیں ہوں بلکہ عام امت ہی کا ایک فرد ہوں، جس طرح دیگر افراد پر علماء کرام کے حقوق عائد ہوتے ہیں، ان کے ساتھ احترام ومحبت کے ساتھ پیش آنا اوران کا اکرام و تعظیم کرنا ضروری ہوتا ہے،یوں ہی یہ ناکارہ بھی ان احکام وحقوق کا مخاطب ہے، اس لئے حضرات علماء کرام کے بارے میں کچھ تحفظات پیش کرنا کچھ ناگوار سا محسوس ہوتا ہے، لیکن چونکہ:

الف: اصل مقصود اصلاح احوال ہے۔ ب: حضرات علمائے کرام پر نقد کرنا یا ان کے مقام ومرتبہ کوزک پہنچانا مقصود نہیں ہے بلکہ ان کی حیثیت کا اجاگر کرنا اوران کے مقام کو دوبالا کرنا مطلوب ہے۔ ج: اپنی کوئی بات ان سے منوانی ہے اور نہ ہی ذاتی تحقیق وتعلی کا اظہار مقصود ہے بلکہ ان حضرات کی آغوش تربیت میں رہ کر جو کچھ سنا، سیکھا، اور پھر ان حضرات نے جس سیدھے راستے پر چلایا، وہاں جاکر جو کچھ دیکھا، وہی

سبق دہرانا مقصود ہے جس کی حیثیت عظمت و محبت کے جذبات پر مبنی ایک باہمی مذاکرے اور تکرار" جیسی ہے، اس لئے ان باتوں کو یہاں ذکر کرنا گوارا کیا جارہا ہے۔

اہلِ علم کی کوتاہیاں

پہلی کوتاہی: اہل علم کی ذمہ داریاں نہ بجالانا

سب سے پہلی کوتاہی تو یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کی روشنی میں اہل علم کی جو ذمہ داریاں متعین ہوتی ہیں جن کا متعدد نصوص میں ذکر کیا گیا ہے اور پچھلے ابواب میں ان پر تفصیلی گفتگو بھی کی گئی ہے، اہل علم کے ایک بڑے طبقے کی جانب سے ان ذمہ داریوں کا خیال نہیں رکھا جاتا، چنانچہ وہاں چار بڑی ذمہ داریاں ذکر کی گئیں تھیں:

ا: علم کے تقاضوں پر عمل کرنا۔

حضرات علماء کرام کی بہت بڑی کثرت تو الحمد للہ یہ ذمہ داری انجام دیتی ہے، لیکن انہی میں کثیر تعداد ایسے افراد کی بھی ہے جو اس میں کوتاہی کے شکار ہے، خاص کر عبادات کے علاوہ ابواب میں تو بڑی کثیر تعداد ایسے افراد کی ہے جو علم کے تقاضوں پر عمل کرنے سے غفلت برتتے ہیں، معاملات میں جب بازار جانا پڑتا ہے تو عام افراد جیسے معاملات انجام دیتے ہیں، ان میں حلال وحرام اور اچھے بھلے کی کوئی زیادہ تمیز نہیں کی جاتی، نکاح وطلاق کے ابواب میں عام رسم ورواج کے مطابق ہی سارے یا اکثر کام نمٹائے جاتے ہیں، ان میں یہ امتیاز نہیں ہوتا کہ ان میں سے کونسا رسم مباح یا ضروری ہے اور کونسا ناجائز، مذموم یا حرام؟ جہاں تک باقی ابواب یعنی اخلاقیات اور معاشرے کا تعلق ہے تو ان ابواب میں اس وقت عمومی طور پر یہی رجحان ہے کہ اس میں دین وشریعت کا کوئی دخل نہیں، عوام کی تو اکثریت کا یہی خیال وتصور ہوتا ہے، مسموم فضاء

اور آزاد معاشرے کی وجہ سے حضرات علماء کرام میں سے بھی اکثریت کا رویّہ ایسا ہی ہوتا ہے۔

۲: دوسری ذمہ داری اہل علم کی یہ بتائی گئی تھی کہ عوام کو اپنی دینی تعلیمات سے روشناس کرائیں، ان کو دین واسلام کی ہدایات سے باخبر رکھا کریں۔ لیکن دیکھا یہ جاتا ہے کہ یہ ذمہ داری بہت کم افراد پورا کر رہے ہیں، بہت سے افراد اس سے غافل ہی رہتے ہیں، ورنہ اگر پوری جماعتِ علماء کرام اس ذمہ داری کو پورا کرتے تو معاشرے میں ایسے افراد کمیاب ہوتے جو دین کی موٹی موٹی باتوں یہاں تک کہ نماز، روزہ اور زکوۃ وحج کے فرائض تک سے بھی ناواقف رہتے ہیں۔

۳: تیسری ذمہ داری یہ بتائی گئی تھی کہ علماء کرام چونکہ وارثِ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام ہیں، اس لئے وہ مقاصد بعثت کی تکمیل کرتے رہیں۔ لیکن اس میں بھی کوتاہی دیکھنے میں آتی ہے، جو تین ذمہ داریاں "مقاصد بعثت" کے عنوان سے ذکر کی گئیں ہیں، وہ اگر چہ حضرات علماء کرام ہی انجام دیتے ہیں اور ان کے طفیل معاشرے میں کسی حد تک یہ کام ہورہے ہیں، کتاب وسنت کی تعلیم اور تزکیہ وغیرہ کے مراکز انہی کے دم سے قائم اور انہی کی محنتوں سے معمور ہیں، اور اس حد تک بجا طور پر یہ جماعت پوری امت کی جانب سے بہت ہی تشکر وامتنان کی مستحق ہے، تاہم حضرات علماء کرام کی مجموعی تعداد کو دیکھا جائے اور عام مسلمان معاشرے کی ضرورت کو دیکھا جائے تو جو کچھ محنت ہو رہی ہے یہ کم اور بہت ہی کم ہے، گہرائی میں جائزہ لیا جائے تو شاید پانچ فیصد ہی کام ہو رہا ہے، ظاہر ہے کہ اس طرح ذمہ داری پوری نہیں ہوتی۔

۴: چوتھی ذمہ داری یہ ذکر کی گئی تھی کہ دینی ماحول قائم کرلیں۔ اس میں بھی کوتاہی دیکھنے میں آتی ہے، یہ اگرچہ درست ہے کہ بہت سے اہل علم اس باب میں بھی

اپنی حد تک کوششیں کرتے رہتے ہیں اور کسی حد تک اگر نماز، روزہ کی حد تک محدود سہی، دین کا ماحول قائم ہے تو یہ بھی انہی جیسی کوششوں کا ثمرہ ہے تاہم پوری جماعت اس میں کماحقہ مصروف عمل نہیں ہیں۔

دوسری کوتاہی: نمونہ نہ بننا

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام امتوں کے لئے دین کے نمونے ہوتے ہیں، ان کا اخلاق و کردار دینی تعلیمات ہی کا نمونہ ہوتا ہے، کوئی دین کو عملی قالب میں دیکھنا چاہے تو ان حضرات کی زندگی کو دیکھنا، ان کے اقدام واحجام کا جائزہ لینا کافی ہوتا ہے، ان کا سب کچھ دینی تعلیمات و ہدایات کے سانچے میں ڈھلا ہوتا ہے، آپ ﷺ کے بارے میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو یہ گواہی دی ہے کہ:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرآنَ.[1]

اس میں صرف اخلاق کا حصر مقصود نہیں بلکہ چونکہ سوال "اخلاق رسول ﷺ" کے بارے میں تھا، اس لئے جواب میں بھی آپ ﷺ کے اخلاق کا تذکرہ کیا گیا، ورنہ حضور ﷺ کے سارے حرکات و سکنات دینی سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔

حضرات علماء کرام کو بھی اپنی استطاعت کے مطابق ایسا ہی کردار اختیار کرلینا چاہئے، یہ ضرور ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام معصوم ہوتے ہیں اور باقی علماء کرام معصوم نہیں ہیں، ان سے غلطیاں بھی صادر ہوسکتی ہیں، گناہ وجرائم بھی صادر

---

[1] مسند احمد، مسند النساء، مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضي الله عنها، ج۴۸، ص۱۴۱۔

ہو سکتے ہیں لیکن اہل علم معصوم نہ سہی، اگر درج ذیل تین امور کا اہتمام کریں تو عام معاشرے کے لئے نمونہ بن سکتے ہیں:

۱: حتی الامکان دینی واجبات و فرائض کا اہتمام کریں، گناہوں اور منکرات سے بچنے کا بھرپور التزام فرمائیں۔

۲: کوئی ایسا مکروہ / مباح کام بھی نہ کریں جو عوام کے بہکاؤ کا باعث بن سکے۔

۳: کہیں کوئی گناہ ہو جائے تو بروقت توبہ کرنے کا اہتمام کریں اور توبہ میں بھی مشہور ضابطہ "توبۃ السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ" کے ضابطے پر عمل کرتے رہیں۔

عام افراد کی بنسبت اہل علم کے لئے بہت سے مباح اور فی نفسہ جائز امور سے بھی احتراز کرنا ہوتا ہے، اس کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ خود تقوی میں کمال حاصل کرنے کے لئے ایسا کرنا پڑتا ہے، چنانچہ آدمی صحیح اور معیاری معنی میں متقی تب ہی بنتا ہے جب وہ بعض ایسے مباح کاموں سے بھی احتراز کرے جو کسی ناجائز یا مکروہ کام کا باعث بن سکتی ہیں، "مستدرک حاکم" میں حضرت عطیہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إن الرجل لا يكون من المتقين حتى يدع ما لا بأس به حذرا لما به بأس».[1]

ترجمہ: "بے شک انسان متقی نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ ان چیزوں کو بھی نہ چھوڑے جن میں کوئی حرج نہیں، محض اس اندیشے سے کہ کہیں اس میں گناہ نہ ہو"۔

دوسری بڑی وجہ وہ ہے جو دوسرے باب میں تفصیل کے ساتھ ذکر کی جاچکی ہے کہ اہل علم کی حیثیت اسلامی معاشرے اور دینی ماحول میں مقتدی کی ہوتی ہے، ان کی

---

۱ المستدرك، كتاب الرقاق، ج۴، ص۳۵۵۔

حرکات و سکنات خود ان کی ذات تک ہی محدود نہیں ہوتی بلکہ اپنے حلقہ کے افراد تک متعدی ہوتی ہیں، ان کی غلطی و کوتاہی کا اثر دور دور تک جا پہنچتا ہے۔

تیسری کوتاہی: مالی بوجھ ڈالنا

"علماء کرام کے حقوق" میں تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے کہ ان کی خبر گیری کرنا، ان کی جان و مال سے تعاون کرنا عام مسلمانوں کی ذمہ داری اور ان اہل علم کا حق ہے، تاہم بد قسمتی سے عام معاشرہ اپنی دینی تعلیمات سے کوسوں دور ہے، ان کی اکثریت ان باتوں سے بالکل ناواقف ہوتی ہے، یا اگر واقف بھی ہو تو بھی ان میں عمل کا جذبہ نہیں ہوتا، دینی احکام کی اس قدر اہمیت راسخ نہیں ہوتی جو ان کو طبیعت و مفاد کے خلاف شرعی حکم پر عمل کرنے پر آمادہ کرے۔

بہر حال عام معاشرہ علماء کرام کے حقوق ادا کرنے کے بارے میں کوتاہ رہا ہے، اس کی وجہ سے بعض اہل علم عوام پر مالی بوجھ ڈالتے ہیں، اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ وہ اہل علم کے قریب جانے سے کتراتے ہیں، علماء کرام کے بارے میں ایسا تاثر بھی عام ہو جاتا ہے کہ وہ لوگوں پر ایسا بوجھ ڈالتے ہیں، مال کی محبت و اہمیت چونکہ اس وقت ایک عظیم فتنہ کی حیثیت اختیار کر چکی ہے جس میں امت کی غالب اکثریت گرفتار ہے، اس لئے وہ اپنی اس "محبوب" چیز کو بچانے کے لئے اہل علم کے قریب نہیں جاتے، حالانکہ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ عام لوگوں کی دین کی حفاظت انہی علماء کرام کے ساتھ ربط و تعلق پر منحصر ہے، علماءِ دین سے تعلق کمزور یا خراب ہو جائے تو ان بے چاروں کا دین و ایمان ہی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مالی بوجھ ڈالنا عوام کے لئے دین و اسلام کے احکام پر عمل کرنے سے محرومی کا سبب بن جاتا ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جن

مختلف حضرات انبیاء کرام (علیہم الصلاۃ والسلام) کی دعوتوں کا تذکرہ ہے، ان میں سرفہرست یہ بات نظر آتی ہے کہ وہ صاف لفظوں میں کھل کر یہ اعلان کرتے تھے کہ تم سے اس دعوت / ایمان لانے کے بدلے کوئی مزدوری نہیں مانگتے، ہماری اجر تو اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ ہے۔

عوام کی کوتاہیاں

عوام کی جانب سے یہ کوتاہیاں کیوں عمل میں آرہی ہیں؟ وہ اہل علم کے حقوق سے غفلت کیوں اختیار کرتے ہیں؟ اس کے بھی مختلف اسباب اور متعدد عناصر ہیں، یہاں ان میں سے نمایاں اسباب اور ان کے حل کرنے کی تدبیر ذکر کی جاتی ہے۔

پہلی کوتاہی: اس کا سبب اور حل

پہلا اور بنیادی سبب تو یہی ہے کہ دین کی قدر دانی نہیں ہوتی، دل میں دینی حس اس حد تک بیدار نہیں ہوتا جو ان کو ایسے منکرات سے روکنے یا واجبات کی ادائیگی کرنے پر آمادہ کرے جن میں بظاہر مالی، بدنی یا عزت ودبدبہ کو نقصان پہنچنے کا یقین ہوتا ہے، اہل علم کے پاس تو عام طور پر دین ہی ہوتا ہے، یہی ان کا امتیازی اور اختصاصی سرمایہ ہوتا ہے، جب یہ سرمایہ بے قیمت ہو یا بے قدری کا حامل ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اس سرمایہ کے حاملین کا دل ودماغ میں کیا وزن باقی رہے گا!

سیکولرازم کی طویل محنت کے بعد اب جب سیکولر ماحول بنا، تو جن لوگوں پر اس کا اثر ہوا، وہ دین کو اس کی واقعی حیثیت نہیں دیتے بلکہ ایک طرف تو یہ ان کے ہاں ایک محدود کام ہوتا ہے، دوسری طرف اس کی اہمیت بھی اس قدر زیادہ نہیں ہوتی جس پر کسی بڑی کامیابی کا انحصار یا توقف ہو، اس لئے جن لوگوں کے پاس صرف اس دین ہی کا علم ہوتا ہے، ان کی بھی کوئی زیادہ قدر وقیمت نہیں ہوتی۔

اس سبب کا حل تو یہی ہے کہ پورے دین کی تعلیم و تبلیغ کی جائے، اس کی اہمیت و معنویت تمام معاشرے کو سمجھائی جائے، زندگی اور کامیابی میں اس کے غیر معمولی کردار و تاثیر کو نمایاں اور عام کیا جائے تاکہ ہر خاص و عام اس سے روشناس ہو جائے، نیز یہ محنتیں صرف کچھ دنوں یا مہینوں کے لئے ہی نہ کی جائیں بلکہ جس طرح سیکولرازم وغیرہ لادینی نظریات اور الحادی افکار پر صدیوں محنت ہوئی ہے، یوں ہی ان دینی افکار و نظریات کی تلقین و ترویج بھی تسلسل اور تواتر کے ساتھ کرتے رہنا چاہئے۔

دوسری کوتاہی: اس کا سبب اور حل

دوسرا اہم سبب یہ ہے کہ علمائے کرام کے ساتھ معاملہ کرنے میں وہ تنقید کے اصول کی رعایت نہیں رکھتے بلکہ جذباتیت یا دین دشمن قوتوں کے پروپیگنڈوں کے شکار ہو ہی جاتے ہیں، اسی کے مختلف اثرات میں سے ایک اہم نتیجہ یہ سامنے آرتا ہے کہ ایک عالم یا چند علمائے کرام کی ایک غلطی یا چند غلطیوں کو دیکھ کر تمام جماعت پر تنقید کرنا شروع کرتے ہیں، اس کی وجہ سے تمام علماء کرام پر طعن و تشنیع کے تیر برسائے جاتے ہیں، ملامت کیا جاتا ہے، بدنام کیا جاتا ہے۔

اسی کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ اس وقت ہمارے ماحول میں ایک بار پھر "ملا اور مسٹر" کا قضیہ نئے عنوان کے ساتھ زندہ کیا گیا ہے، عصری تعلیمی اداروں کو دینی تعلیمی اداروں کا مقابل کھڑا کر دیا گیا ہے، اب ہوتا یہ ہے کہ عصری اداروں میں اگر کوئی ایک کام بھی ایسا ہوتا ہے جو قابل تعریف ہو تو اس کی خوب تشہیر کی جاتی ہے، ضرورت ہو تو زمین و آسمان کے قلابے ملا ملا کر ہر خاص و عام تک اس کو پہنچانے کی سعی پیہم کی جاتی ہے، اس کے لئے دولت کی ضرورت پڑے تو قارون کے خزانے حاضر کئے جاتے ہیں، لیکن اگر سوا ایسے کام ہو جائیں جو قابل تنقید اور لائق ملامت ہو تو اس کو در پردہ رکھنے کی پوری

کوشش کی جاتی ہے، کوئی ایسی باتوں کو ہوا دے کر عام بھی کرنا چاہے تو ان کو طرح طرح ڈرایا دھمکایا جاتا ہے، بھرپور کوششیں کی جاتی ہیں کہ ایسی باتوں کو عام معاشرے میں فروغ نہ ملے، یوں ان اداروں کا تقدس برقرار رکھنے بلکہ بڑھانے چڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اس کے مقابلے میں دینی مدارس ہیں، وہاں صورت حال بالکل برعکس ہے، وہاں سو ایسے کام ہو جائیں جو ان کی تعریف وتوصیف کے متقاضی ہوں تو بھی ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے نہ تشہیر، کوئی اپنے طور پر کرنا بھی چاہے تو تعاون نہیں ہوتا بلکہ اعتنائی کا رویہ وغیرہ رویّے اختیار کر کے ان کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے، اور اگر وہاں کوئی ایک بھی ایسا کام سرزد ہو جاتا ہے جس پر طعن و تشنیع کا موقع ہاتھ آسکتا ہے تو بس پھر کیا ہوتا ہے، ہر عام وخاص کی دہلیز تک اس کی خبر پہنچائی جاتی ہے، اس کے ساتھ اپنی طرف سے بھی مختلف باتوں اور قیاس آرائیوں کو ملا کر اس جماعت کو بد سے بدتر کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں، لوگوں کے دل ودماغ میں ان دینی اداروں کے متعلق بدگمانیاں پیدا کی جاتی ہیں، ان کو جہالت کی یونیورسٹیاں تک باور کرایا جاتا ہے۔

اس کا حل یہی ہے کہ گفتگو میں انصاف، اعتدال اور توازن کی نفسیات کو فروغ دیا جائے، اس کا حل یہی ہے کہ دینی تعلیمات اور خاص کر اخلاق وآداب کی تعلیمات کو عام کیا جائے۔

تیسری کوتاہی: اس کا سبب اور حل

علمائے کرام کے حقوق وآداب سے متعلق عوام کی تیسری بڑی کوتاہی یہ ہے کہ وہ اس سلسلہ میں صبر، برداشت اور حلم سے بالکل کام نہیں لیتے، اس کا یہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ:

۱: کسی عالم دین سے کوئی ایسا کام سرزد ہو جاتا ہے جس کا کوئی اچھا یا جائز پہلو بھی ہو اور ناجائز و مذموم رخ بھی ہو، تو یہ تحقیق کئے بغیر اس کو ناجائز پہلو پر حمل کرتے ہیں اور اس پر آگے مختلف قسم کی حق تلفیوں کی عمارتیں استوار کرتے ہیں۔

۲: مزاج و مذاق اور طبیعت و ماحول کی باتوں کو بھی ناجائز سمجھ کر ہدفِ تنقید بناتے ہیں، کسی عالم دین نے کوئی ایسا کام کیا ہے جو کسی عام شخص کے مزاج یا طبیعت کے خلاف ہے لیکن شریعت کی روشنی میں وہ ناجائز یا حرام نہ ہو تو ایسی باتوں کو بنیاد بنا کر وہ بھی کسی عالم دین یا علماء کرام پر طعن کرنا شروع کرتے ہیں یا ان کے ساتھ پیار و محبت کے رشتے کاٹ لینا شروع کرتے ہیں۔

حالانکہ ہر شخص کے مزاج و مذاق کا لحاظ رکھنا نہ ممکن ہے اور نہ شرعاً ضروری ہے، مشہور ہے کہ:

"رضاء النّاس غاية لا تدرك"

ایک سبق آمیز تجربہ

اسی قسم کا ایک واقعہ خود اس ناکارہ کے ساتھ بھی پیش آیا، ہمارے پڑوس میں ایک صاحب دینی مدرسہ سے فارغ و متخصص ہو کر تشریف لائے، دین کی خدمت اور لوگوں کی اصلاح کا جذبہ تھا اور ان شاء اللہ اخلاص بھی تھا، لیکن علاقائی مزاج و مذاق کے ساتھ زیادہ شناسائی نہ تھی، اس لئے بہت جلد لوگ ان سے اکتا گئے اور اس کے خلاف ایک ماحول پیدا ہونا شروع ہوا، ان کے بارے میں شکایت یہ کی جاتی تھی کہ وہ سخت ہے۔

یہ ناکارہ بھی فکر مند تھا اور تمنا تھی لوگ ان کے ساتھ وابستہ ہو جائیں، اس جذبے سے ایک جرگہ نما مجلس میں یہ ناکارہ بھی شریک ہوا، شرکاء مجلس نے ان صاحب

کے حوالہ سے مختلف قصے کہانیاں بیان کرنی شروع کردی کہ فلاں موقع پر یہ کرنا چاہئے تھا اور اس نے یہ کیا، اور فلاں موقع پر یہ کہنا چاہئے تھا اور اس نے یہ کہا، اس عاجز نے اپنی بات میں "طے شدہ اصول" کے طور پر یہ ضابطہ بیان کیا کہ تنقید اور طعن کا معیار و مدار کیا ہے؟ کیا میری مرضی / مفاد / ترجیح کے مطابق کام نہ کرنے کی وجہ سے تنقید کریں یا دینی تعلیمات وہدایات کو اس میں معیار کا درجہ دیا جائے؟ اگر معیارِ تنقید پہلی بات ہے تو پھر آپ سب قابل طعن و تنقید ہیں کیونکہ میری مرضی اور مذاق کے خلاف بہت سے امور کے تم خود مرتکب ہوں اور اگر معیارِ تنقید دوسری بات ہو تو اس نوعیت کی باتوں کو سامنے لایا جائے جن میں اس صاحب نے کسی دینی واجب کو چھوڑا ہو، یا کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہو۔

علماء کرام سے بے زاری کے نتائج و مضمرات

یہاں تک ان اسباب کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے جن کی وجہ سے علماء کرام اور عام مسلمان کے درمیان خلیج پیدا ہوا اور پھر یہ خلیج وسیع سے وسیع تر ہونے لگا، یہاں تک کہ اب صورت حال ایسی بن چکی ہے جس کو عقل مند شخص اب دیکھ کر برداشت نہیں کر سکتا۔

اب اس صورت حال کے نتائج و مضمرات کیا ہیں؟ ان کو یہاں ذکر کرنا مقصود ہے۔ نتائج و مضمرات کو بھی اجمالی طور پر ہی ذکر کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

۱: پہلا نتیجہ تو یہی سامنے آیا کہ دونوں فریق میں ایک دوسرے کے خلاف بے بنیاد قسم کی بدگمانیاں پیدا ہوتی گئیں، بدگمانی بجائے خود ایک ایسی چیز ہے جو شرعاً ممنوع ہے، اور تجرباتی لحاظ سے بہت سی غلطیوں کی اصل واساس ہے۔

۲: دونوں فریق کی قابل لحاظ تعداد کے ہاں ایک دوسرے کے حقوق پامال ہونے لگے، ان میں سے بعض حقوق ضروری نوعیت کے بھی تھے اور شریعت کے ہاں مطلوب تو سب ہیں۔

۳: عوام کا نقصان یہ ہوا کہ وہ اپنے دین سے بے خبر ہوتے گئے، اس بے خبری کے حدود رفتہ رفتہ بڑھتے گئے، پہلے تو چند ایسے مسائل سے غفلت پیدا ہوئی گئی جو ہر دن یا ہر شخص کو پیش نہ آتے تھے، پھر رفتہ رفتہ بڑے مسائل اور دین کی موٹی موٹی باتوں سے بھی جہالت وغفلت پیدا ہوئی، پھر عقائد اور اس کے بعد بنیادی عقائد و نظریات سے بھی نابلد ہوتے گئے۔

۴: اہل علم کی قدر واہمیت جب دل سے ختم ہونے لگی تو ان سے محبت بھی ختم ہوئی، ان کی صحبت سے بھی محرومی گلے کا ہار بن گئی، اس محرومی کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین کی اہمیت و معنویت دل میں راسخ نہ ہو سکی، اور تنہا یہ ایک خرابی ایسی ہے جس کی وجہ سے فی کس کے لحاظ سے بھی بیسیوں نقصانات و منکرات وجود میں آتے رہیں۔

۵: جب اہل علم کی سیادت و قیادت سے عام مسلمان نکل گیا، تو ایسے لوگوں کے ہاتھ آیا جو یا تو واضح طور پر دین دشمن تھے یا لادین تھے، ادھر علماء سے بے زار مسلمانوں کو دین کی معلومات تو تھیں نہیں، دینی مزاج و مذاق بھی نہ تھا، اس لئے فکری ارتداد اور دین بے زاری کا سیلاب آیا جس کی موجوں نے مختلف لوگوں کو اپنے چنگل میں لے لیا۔

۶: دوسری طرف علماء کرام کا نقصان یہ ہوا کہ دین کی خدمت کے مواقع کم سے کم ملے، درمیان میں خلیج کی وسعت نے ان کو کچھ زیادہ کام کرنے کا موقع نہیں دیا۔

۷: معاشرہ ان کے ہاتھ سے نکلتا گیا، ان کی بات کچھ زیادہ قابل التفات نہ رہی، ان کی طرف لوگوں کا رجوع وجھکاؤ بدستور کم سے کم تر ہونے لگا۔ اس کی وجہ دینی اور دنیوی دونوں لحاظ سے علماء اور عوام دونوں فریق کو متعدد نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔

ان اسباب کا تدارک وتلافی

ان برے نتائج اور ناپسندیدہ مضمرات سے نمٹنے کی مناسب صورت یہی ہے کہ دونوں فریق کے حقوق اور فرائض کو اجاگر کیا جائے، پورے معاشرے اور اس کے تمام تر امور میں کو دینی رنگ میں رنگنے کی کوشش کی جائے، بچپن ہی سے بچوں کو دین دار اور متصلب مسلمان بنانے کی کوششیں کی جائیں، میڈیا اور خاص کر سوشل میڈیا کے استعمال کے لئے ایسا ضابطہ تشکیل دیا جائے جو شرعی تعلیمات کے عین مطابق ہو اور یہ ضابطہ صرف کاغذی حد تک نہ ہو بلکہ ہوسکے تو عملی طور پر استعمال کو ایسا محدود کر دیا جائے جس کے خلاف کوئی کر نہ سکے، اجتماعی زندگی میں علم اور اہل علم کی ضرورت واہمیت محسوس کی جائے اور اس سطح پر ان حضرات کو وزن دیا جائے۔

ان تمام باتوں کو پائیدار طریقے سے انجام دینے کے لئے حکومتی نظام اور ریاستی ڈھانچے کو تبدیل کرنا ضروری ہے جب تک یہ نظام مکمل طور پر دینی تعلیمات کی روشنی میں تشکیل نہ پائے، اس وقت تک ان اصلاحات کا مکمل اور یقینی طور پر پائیدار ہونا بظاہر بڑا مشکل ہے۔

باب چہارم:

- ❖ علماء دنیا اور علماء آخرت کے اعمال وانجام میں فرق اور علامات واثرات
- ❖ علمائے دنیاوآخرت کا مصداق
- ❖ علماء آخرت کی بارہ علامتیں
- ❖ علماء اور ارباب اقتدار کے ساتھ تعلقات
- ❖ ارباب اقتدار کے ساتھ میل جول کا نقصان

علماء دنیا اور علماء آخرت کے اعمال وانجام میں فرق اور علامات واثرات۔

علمائے دنیا وآخرت کا مصداق

گزشتہ ابواب میں علم اور علماء کرام سے متعلق ضروری تفصیلات ذکر کی جاچکی ہیں، علم کے فضائل وفوائد اور علمائے کرام کے حقوق وفرائض بھی ذکر ہوئے ہیں اور علم کو درست طریقے سے استعمال نہ کرنے پر وعیدات کا بھی ذکر آیا ہے۔

جن روایات میں علم یا علمائے کرام کی فضیلت اور ان کے اجر وثواب کا ذکر ہے، ان سے وہ علمائے کرام مراد ہیں جو اپنے علم کے تقاضوں کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، ان کو "باعمل علماء" بھی کہاجاتا ہے، "علمائے صالحین" سے بھی ان کو یاد کیاجاسکتاہے اور "علمائے آخرت" بھی کہاجاسکتاہے، جہاں نصوص میں علم کی مذمت کا ذکر فرمایا گیاہے یا علماء کے سخت عذاب وغیرہ کا ذکر ہے، وہاں وہ علم مقصود ہے جس کے تقاضوں کے مطابق عمل نہ ہو، ایسے لوگوں کو "علماء سوء" بھی کہاجاتاہے اور "علمائے دنیا" بھی۔

دونوں میں بنیادی فرق

دونوں کے درمیان بنیادی فرق یہی ہے کہ علمائے آخرت اپنے علم کے تقاضوں پر عمل کرتے ہیں اور زندگی اسی کے سانچے میں گزارتے ہیں جبکہ علمائے دنیا اپنے علم کے ضروری تقاضوں پر بھی عمل نہیں کرتے، دینی واجبات کی ادائیگی میں بھی

سستی سے کام لیتے ہیں اور گناہوں و منکرات سے بچنے میں بھی غفلت برتتے ہیں، ان کی وجہ سے معاشرے میں دین نہیں پھیلتا بلکہ دینی احکام کی قدر و اہمیت گھٹ جاتی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ کی تحقیق

دونوں قسم کے علماء کے ظاہری نشانیاں کیا ہیں؟ جن کو دیکھ کر آسانی کے ساتھ امتیاز ہو سکے؟ اس پر امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب "احیاء علوم الدین" میں بڑی تفصیل کے ساتھ گفتگو فرمائی ہے، علمائے آخرت کی بارہ نشانیاں لکھی ہے، اگر کسی میں یہ بارہ نشانیاں موجود ہوں تو وہ ان شاء اللہ علمائے آخرت میں سے ہوگا اور جو ان نشانیوں کے برخلاف ہوں، وہ علمائے دنیا میں شمار ہوگا۔

امام غزالی رحمہ اللہ کی یہ بحث خاصی لمبی ہے لیکن ساتھ مفید اور سبق آموز بہت ہے، اس لئے طوالت کے باوجود یہاں کچھ معمولی تغیر کے ساتھ اس کو نقل کیا جاتا ہے۔ "احیاء علوم الدین" اصلاً عربی زبان کی کتاب ہے، اردو میں اس کے متعدد تراجم ہوئے ہیں، تاہم وہ تراجم کچھ زیادہ سلیس اور رواں معلوم نہیں ہوتے، اس لئے ہم جیسے عام افراد کے لئے اس کے پڑھنے سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے بھی اس بحث کو امام غزالی رحمہ اللہ ہی سے نقل فرمایا ہے، وہ زیادہ رواں اور مفید ہے، اس لئے یہاں اسی کو نقل کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالے کے یہاں مقرب علمائے آخرت ہیں جن کی چند علامتیں ہیں:

پہلی علامت: اپنے علم سے دنیا نہ کماتا ہو

عالم کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ دنیا کی حقارت کا، اس کے کمینہ پن کا، اس کے مکدر ہونے کا، اس کے جلد ختم ہو جانے کا اس کو احساس ہو آخرت کی عظمت اس کا ہمیشہ رہنا اس کی نعمتوں کی عمدگی کا احساس ہو۔ اور یہ بات اچھی طرح جانتا ہو کہ دنیا اور

آخرت دونوں ایک دوسرے کی ضد ہونے میں دوسوکنوں کی طرح ہیں، جونسی ایک کو راضی کرے گا دوسری خفا ہو جائے گی۔ یہ دونوں ترازو کے دو پلڑوں کی طرح ہیں جونسا ایک پلڑا جھکے گا دوسرا ہلکا ہو جائے گا۔ دونوں میں مشرق مغرب کا فرق ہے جونسے ایک سے تو قریب ہوگا دوسرے سے دور ہو جائے گا جو شخص دنیا کی حقارت کا اس کے گدلے پن کا اور اس بات کا احساس نہیں کرتا کہ دنیا کی لذتیں دونوں جہاں کی تکلیفوں کے ساتھ منضم ہیں وہ فاسد العقل ہے۔ مشاہدہ اور تجربہ ان باتوں کا شاہد ہے کہ دنیا کی لذتوں میں دنیا کی بھی تکلیف ہے اور آخرت کی تکلیف تو ہے ہی۔ پس جس شخص کو عقل ہی نہیں وہ عالم کیسے ہو سکتا ہے۔ بلکہ جو شخص آخرت کی بڑائی اور اس کے ہمیشہ رہنے کو بھی نہیں جانتا ہے وہ تو کافر ہے ایسا شخص کیسے عالم ہو سکتا ہے جس کو ایمان بھی نصیب نہ ہو اور جو شخص دنیا اور آخرت کا ایک دوسرے کی ضد ہونے کو نہیں جانتا اور دونوں کے درمیان جمع کرنے کی طمع میں ہے وہ ایسی چیز میں طمع کر رہا ہے جو طمع کرنیکی چیز نہیں ہے۔ وہ شخص تمام انبیاءؑ کی شریعت سے ناواقف ہے اور جو شخص ان سب چیزوں کو جاننے کے باوجود دنیا کو ترجیح دیتا ہے وہ شیطان کا قیدی ہے جس کو شہوتوں نے ہلاک کر رکھا اور بدبختی اس پر غالب ہے، جس کی یہ حالت ہو وہ علماء میں کیسے شمار ہو گا؟

حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ: جو عالم دنیا کی خواہش کو میری محبت پر ترجیح دیتا ہے اس کے ساتھ ادنی سے ادنی معاملہ میں یہ کرتا ہوں کہ اپنی مناجات کی لذت سے اس کو محروم کر دیتا ہوں (کہ میری یاد میں میری دعا میں اس کو لذت نہیں آتی) اے داؤد! ایسے عالم کا حال نہ پوچھ جس کو دنیا کا نشہ سوار ہو کہ میری محبت سے تجھے کو دور کر دے ایسے لوگ ڈاکو ہیں۔ اے داود جب تو کسی کو میرا طالب دیکھے تو اس کا خادم بن جا۔ اے داؤد! جو شخص بھاگ کر میری طرف آتا ہے میں

اس کو جہبذ (حاذق سمجھدار) لکھ دیتا ہوں اور جس کو جہبذ لکھ دیتا ہوں اس کو عذاب نہیں کرتا، یحیی بن معاذ کہتے ہیں کہ: "علم وحکمت سے جب دنیا طلب کی جائے تو ان کی رونق جاتی رہتی ہے"۔ حضرت سعید بن المسیبؒ کہتے ہیں کہ: جب کسی عالم کو دیکھو کہ امراء کے یہاں پڑا رہتا ہے تو اس کو چور سمجھو۔ اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جس عالم کو دنیا سے محبت رکھنے والا دیکھو اپنے دین کے بارے میں اس کو متہم سمجھو۔ اس لئے کہ جس شخص کو جس سے محبت ہوتی ہے اسی میں گھسا کرتا ہے۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ جس کو گناہ میں لذت آتی ہو وہ اللہ تعالی کا عارف ہو سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس میں ذرا تردد نہیں کہ جو شخص دنیا کو آخرت پر ترجیح دے وہ عارف نہیں ہو سکتا اور گناہ کرنے کا درجہ تو اس سے بہت زیادہ ہے۔ اور یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ صرف مال کی محبت نہ ہونے سے آخرت کا عالم نہیں ہوتا، جاہ کا درجہ اور اس کا نقصان مال سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

یعنی جتنی وعیدیں اوپر دنیا کے ترجیح دینے کی اور اس کی طلب کی گذری ہیں ان میں صرف مال کمانا ہی داخل نہیں بلکہ جاہ کی طلب مال کی طلب کی بہ نسبت زیادہ داخل ہے اس لئے کہ جاہ طلبی کا نقصان اور اس کی مضرت مال طلبی سے بھی زیادہ سخت ہے۔

دوسری علامت: قول و فعل میں تعارض نہ ہو

دوسری علامت یہ ہے کہ اس کے قول و فعل میں تعارض نہ ہو، دوسروں کو خیر کا حکم کرے اور خود اس پر عمل نہ کرے۔ حق تعالی شانہ کا ارشاد ہے:

اَتَامُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الكِتَابَ[1]

---

[1] سورة البقرة، ایت ۴۴

ترجمہ: "کیا غضب ہے کہ دوسروں کو نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے رہتے ہو"۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

كبر مَقْتًا عِندَ اللهِ أَن تَقُولُوا مَالَا تَفْعَلُونَ

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضگی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کر دنہیں"۔

حاتم اصمؒ کہتے ہیں کہ: قیامت کے دن اس عالم سے زیادہ حسرت والا کوئی نہ ہوگا جس کی وجہ سے دوسروں نے علم سیکھا اور اس پر عمل کیا وہ تو کامیاب ہو گئے اور وہ خود عمل نہ کرنے کی وجہ سے ناکام رہا۔

ابن سماکؒ کہتے ہیں: کتنے شخص ایسے ہیں جو دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتے ہیں خود اللہ تعالیٰ کو بھولتے ہیں، دوسروں کو اللہ تعالیٰ سے ڈراتے ہیں خود اللہ تعالیٰ پر جرأت کرتے ہیں، دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بناتے ہیں، خود اللہ تعالیٰ سے دور ہیں، دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں خود اللہ تعالیٰ سے بھاگتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمن بن غنمؒ کہتے ہیں کہ: مجھ سے دس صحابہ کرام نے یہ مضمون بیان کیا کہ ہم لوگ قبا کی مسجد میں بیٹھے ہوئے علم حاصل کر رہے تھے حضور تشریف لائے اور فرمایا کہ: "جتنا چاہے علم حاصل کر لو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے اجر بغیر عمل کے نہیں ملتا"۔

سورة صف، ایت ٣١

تیسری علامت: مفید علوم میں مشغولیت

تیسری علامت یہ ہے کہ: ایسے علوم میں مشغول ہو جو آخرت میں کام آنے والے ہوں، نیک کاموں میں رغبت پیدا کرنے والے ہوں ایسے علوم سے احتراز کرے جن کا آخرت میں کوئی نفع نہیں ہے یا نفع کم ہے۔ ہم لوگ اپنی نادانی سے ان کو بھی علم کہتے ہیں جن سے صرف دنیا کمانا مقصود ہو۔ حالانکہ وہ جہل مرکب ہے کہ ایسا شخص اپنے کو پڑھا لکھا سمجھنے لگتا ہے پھر اس کو دین کے علوم سیکھنے کا اہتمام بھی نہیں رہتا۔ جو شخص کچھ بھی پڑھا ہوا نہ ہو وہ کم سے کم اپنے آپ کو جاہل تو سمجھتا ہے دین کی باتیں معلوم کرنے کی کوشش تو کرتا ہے مگر جو اپنی جہالت کے باوجود اپنے کو عالم سمجھنے لگے وہ بڑے نقصان میں ہے۔

حضرت حاتم اصمؒ کی سیکھی ہوئی آٹھ باتیں

حاتم اصمؒ جو مشہور بزرگ اور حضرت شقیق بلخیؒ کے خاص شاگرد ہیں ان سے ایک مرتبہ حضرت شیخ نے دریافت کیا کہ: حاتمؒ کتنے دن سے تم میرے ساتھ ہو؟ انہوں نے عرض کیا: تینتیس (۳۳) برس سے۔ فرمانے لگے کہ اتنے دنوں میں تم نے مجھ سے کیا سیکھا؟ حاتم نے عرض کیا کہ حضور صرف آٹھ مسئلے سیکھے ہیں۔ حضرت شقیقؒ نے فرمایا: انا للہ وَاِنَّـا اِلَیْـهِ رَاجِعُـونَ۔ اتنی طویل مدت میں صرف آٹھ مسئلے سیکھے میری تو عمر ہی تمہارے ساتھ ضائع ہو گئی۔ حاتمؒ نے عرض کیا: حضور! صرف آٹھ ہی سیکھے ہیں جھوٹ تو بول نہیں سکتا، حضرت شقیق نے فرمایا کہ: اچھا بتاؤ، وہ آٹھ مسئلے کیا ہیں؟ حاتم نے عرض کیا:

پہلی بات: میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق کو کسی نہ کسی سے محبت ہے (بیوی سے، اولاد سے، مال سے، احباب سے وغیرہ وغیرہ) لیکن میں نے دیکھا کہ جب وہ قبر میں جاتا

ہے تو اس کا محبوب اس سے جدا ہو جاتا ہے۔ اسلئے میں نے نیکیوں سے محبت کرلی تاکہ جب میں قبر میں جاؤں تو میرا محبوب بھی ساتھ ہی جائے اور مرنے کے بعد بھی مجھ سے جدا نہ ہو۔ حضرت شقیق نے فرمایا بہت اچھا کیا۔

دوسری بات: میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد قرآن پاک میں دیکھا۔

﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ﴾[1]

ترجمہ: "اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے (آخرت میں) کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو (حرام) خواہش سے روکا ہوگا تو جنت اسکا ٹھکانا ہوگا"۔

میں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد حق ہے، میں نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر جم گیا۔

تیسری بات: میں نے دنیا کو دیکھا کہ ہر شخص کے نزدیک جو چیز بہت قیمتی ہوتی ہے بہت محبوب ہوتی ہے وہ اس کو اٹھا کر بڑی احتیاط سے رکھتا ہے اس کی حفاظت کرتا ہے۔ پھر میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد دیکھا کہ:

﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللهِ بَاقٍ﴾[2]

ترجمہ: "جو کچھ تمہارے پاس دنیا ہے وہ ختم ہو جائے گا (خواہ وہ جاتا رہے یا تم مر جاؤ ہر حال میں وہ ختم ہو گا) اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے"۔

اس آیت شریفہ کی وجہ سے جو چیز بھی میرے پاس ایسی کبھی ہوئی جسکی مجھے وقعت زیادہ ہوئی وہ پسند زیادہ آئی، وہ میں نے اللہ تعالیٰ کے پاس بھیج دی تاکہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے۔

---

[1] سورۃ النازعات، ایت ۴۰

[2] سورۃ نحل، ایت ۹۶

چوتھی بات: میں نے ساری دنیا کو دیکھا کوئی شخص مال کی طرف (اپنی عزت اور بڑائی میں) لوٹتا ہے کوئی حسب کی شرافت کی طرف کوئی اور فخر کی چیزوں کی طرف یعنی ان چیزوں کے ذریعہ سے اپنے اندر بڑائی پیدا کرتا ہے اور اپنی بڑائی ظاہر کرتا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد دیکھا:

﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾[1]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو"۔

اس بناء پر میں نے تقویٰ اختیار کرلیا تاکہ اللہ جل شانہ کے نزدیک شریف بن جاؤں۔

پانچویں بات: میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے پر طعن کرتے ہیں عیب جوئی کرتے ہیں برا بھلا کہتے ہیں اور یہ سب کا سب حسد کی وجہ سے ہوتا ہے کہ ایک کو دوسرے پر حسد آتا ہے میں نے اللہ تعالیٰ شانہ کا ارشاد دیکھا:

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾[2]

ترجمہ: "دینوی زندگی میں ان کی روزی ہم نے ہی تقسیم کر رکھی ہے اور (اس تقسیم میں) ہم نے ایک کو دوسرے پر فوقیت دے رکھی ہے تاکہ (اس کی وجہ سے ایک دوسرے سے کام لیتا رہے (سب کے سب برابر ایک ہی نمونہ کے بن جائیں تو پھر کوئی

---

[1] سورۃ الحجرات، ایت ۱۳

[2] سورۃ الزخرف، ایت ۳۲

کسی کا کام کیوں کرے کیوں نوکری کرے اور اس سے دنیا کا نظام خراب ہی ہو جائے گا)"۔

میں نے اس آیت شریفہ کی وجہ سے حسد کرنا چھوڑ دیا۔ ساری مخلوق سے بے تعلق ہو گیا اور میں نے جان لیا کہ روزی کا باٹنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہے وہ جسکے حصے میں جتنا چاہے لگائے اس لئے لوگوں کی عداوت چھوڑ دی۔ اور یہ سمجھ لیا کہ کسی کے پاس مال کے زیادہ یا کم ہونے میں ان کے فعل کو زیادہ دخل نہیں ہے۔ یہ تو مالک الملک کی طرف سے ہے اس لیے اب کسی پر غصہ ہی نہیں آتا۔

چھٹی بات: میں نے دنیا میں دیکھا کہ تقریباً ہر شخص کی کسی نہ کسی سے لڑائی ہے کسی نہ کسی سے دشمنی ہے میں نے غور کیا تو دیکھا کہ حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا۔

﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا﴾[1]

ترجمہ: شیطان بے شبہ تمہارا دشمن ہے پس اس کے ساتھ دشمنی ہی رکھو (اس کو دوست نہ بناؤ)۔

پس میں نے اپنی دشمنی کے لئے اس کو چن لیا اور اس سے دور رہنے کی انتہائی کوشش کرتا ہوں۔ اسلئے کہ جب حق تعالیٰ شانہ نے اس کے دشمن ہونے کو فرمادیا تو میں نے اس کے علاوہ سے اپنی دشمنی ہٹالی۔

ساتویں بات: میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق روٹی کی طلب میں لگ رہی ہے اس کی وجہ سے اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے ذلیل کرتے ہے اور ناجائز چیزیں اختیار کرتی ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا﴾[2]

---

[1] سورۃ فاطر، ایت ۶

ترجمہ: "اور کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے جس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو"۔

میں نے دیکھا کہ میں بھی انہیں زمین پر چلنے والوں میں سے ایک ہوں جن کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ پس میں نے اپنے اوقات ان چیزوں میں مشغول کر لئے جو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لازم ہیں اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے ذمہ تھی اس سے اپنے اوقات کو فارغ کر لیا۔

آٹھویں بات: میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق کا اعتماد اور بھروسہ کسی خاص ایسی چیز پر ہے جو خود مخلوق ہے کوئی اپنی جائداد پر بھروسہ کرتا ہے، کوئی اپنی تجارت پر اعتماد کرتا ہے، کوئی اپنی دستکاری پر نگاہ جمائے ہوئے ہے، کوئی اپنے بدن کی صحت اور قوت پر (کہ جب چاہے جس طرح چاہے کما لونگا) اور ساری مخلوق ایسی چیزوں پر اعتماد کئے ہوئے ہے جو ان کی طرح خود مخلوق ہیں۔ میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾[1]

ترجمہ: "جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل (اعتماد) کرتا ہے پس اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے"۔

اس لئے میں نے بس اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کر لیا۔

حضرت شقیقؒ نے فرمایا کہ: حاتمؒ تمہیں حق تعالیٰ شانہ توفیق عطا فرمائے، میں نے توراۃ، انجیل، زبور اور قرآن عظیم کے علوم کو دیکھا میں نے سارے خیر کے کام ان ہی آٹھ مسائل کے اندر پائے، پس جو ان آٹھوں پر عمل کر لے اس نے اللہ تعالیٰ شانہ کی

---

[۲] سورۃ ھود، ایت ۶

[۱] سورۃ الطلاق، ایت ۳

چاروں کتابوں کے مضامین پر عمل کر لیا۔ اس قسم کے علوم کو علمائے آخرت ہی پاسکتے ہیں اور دنیادار عالم تو مال اور جاہ کی ہی حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

چوتھی علامت: دنیوی ناز و نعمتوں کے پیچھے نہ پڑنا

چوتھی علامت علماء آخرت کی یہ ہے کہ کھانے پینے کی اور لباس کی عمدگیوں اور بہتری کی طرف متوجہ نہ ہو، بلکہ ان چیزوں میں درمیانی رفتار اختیار کرے اور بزرگوں کے طرز کو اختیار کرے ان چیزوں میں جتنا کمی کی طرف اس کا میلان بڑھے گا اللہ تعالٰی شانہ سے اتنا ہی اس کا قرب بڑھتا جائے گا اور علمائے آخرت میں اتنا ہی اس کا درجہ بلند ہوتا جائے گا۔

شیخ حاتمؒ کا بعض اہل علم کے ساتھ دلچسپ مکالمہ

انہیں شیخ حاتمؒ کا ایک عجیب قصہ جس کو شیخ ابو عبد اللہ خواصؒ جو شیخ ابو حاتمؒ کے شاگردوں میں سے ہے، نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ: میں ایک مرتبہ حضرت شیخ حاتمؒ کے ساتھ موضع رَیْ میں جو ایک جگہ کا نام ہے گیا، تین سو بیس آدمی ہمارے ساتھ تھے، ہم حج کے ارادہ سے جا رہے تھے، سب متوکلین کی جماعت تھی ان لوگوں کے پاس توشہ سامان وغیرہ کچھ نہ تھا۔ ری میں ایک معمولی خشک مزاج تاجر پر ہمارا گذر ہوا، اس نے سارے قافلہ کی دعوت کر دی اور ہماری ایک رات کی مہمانی کی، دوسرے دن صبح کو وہ میزبان حضرت حاتمؒ سے کہنے لگا کہ: یہاں ایک عالم بیمار ہیں مجھے ان کی عیادت کو اس وقت جانا ہے اگر آپ کی رغبت ہو تو آپ بھی چلیں۔ حضرت حاتمؒ نے فرمایا کہ بیمار کی عیادت تو ثواب ہے اور عالم کی تو زیارت بھی عبادت ہے، میں ضرور تمہارے ساتھ چلوں گا۔ یہ بیمار عالم اس موضع کے قاضی شیخ محمد بن مقاتلؒ تھے، جب ان کے مکان پر پہنچے تو حضرت حاتمؒ سوچ میں پڑ گئے کہ اللہ اکبر ایک عالم کا مکان اور ایسا اونچا محل عرض ہم نے

حاضری کی اجازت مانگی اور جب اندر داخل ہوئے تو وہ اندر سے بھی نہایت خوشنما وسیع پاکیزہ جگہ جگہ پر دے لٹک رہے۔ حضرت حاتمؒ ان سب چیزوں کو دیکھ رہے تھے اور سوچ میں پڑے ہوئے تھے۔ اتنے میں ہم قاضی صاحب کے قریب پہنچے تو وہ ایک نہایت نرم بستر پر آرام کر رہے تھے۔ ایک غلام ان کے سرہانے پنکھا جھول رہے تھے وہ تاجر تو سلام کر کے اسکے پاس بیٹھ گئے اور مزاج پرسی کی۔ حاتم کھڑے رہے۔ قاضی صاحب نے انکو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔

قاضی صاحب نے پوچھا: آپ نے کچھ کہنا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہو، انہوں نے کہا کہ آپ بیٹھ جائیں (غلاموں نے قاضی صاحب کو سہارا دے کر اٹھایا خود اٹھنا مشکل تھا) وہ بیٹھ گئے۔ حضرت حاتم نے پوچھا کہ آپ نے علم کس سے حاصل کیا؟ انہوں نے فرمایا: معتبر علماء سے۔ انہوں نے پوچھا کہ ان علماء نے کس سے سیکھا تھا؟ قاضی صاحب نے فرمایا کہ انہوں نے صحابہ کرامؓ سے۔ حضرت حاتمؒ نے پوچھا کہ صحابہ کرام نے کس سے سیکھا تھا؟ قاضی صاحب حضور اقدس ﷺ سے۔ حضرت حاتمؒ: حضور اقدس ﷺ نے کس سے سیکھا تھا؟ قاضی صاحب حضرت جبرائیل سے۔ حضرت حاتمؒ، حضرت جبرائیل نے کس سے سیکھا تھا؟ قاضی صاحب: اللہ تعالیٰ شانہ سے۔

حضرت حاتمؒ نے فرمایا کہ: جو علم حضرت جبرائیل نے حق تعالیٰ شانہ سے لیکر حضور اقدس ﷺ تک پہنچایا اور حضور نے صحابہؓ کو عطا فرمایا اور صحابہؓ نے معتبر علماء کو اور ان کے ذریعے سے آپ تک پہنچا، اس میں کہیں یہ بھی وارد ہے کہ جس شخص کا جس قدر مکان اونچا اور بڑا ہو گا اس کا اتنا ہی درجہ اللہ جل شانہ کے یہاں بھی زیادہ ہو گا؟ قاضی صاحب نے فرمایا کہ یہ اس علم میں نہیں آیا، اگر یہ اس علم میں نہیں آیا تو پھر اس

علم میں کیا آیا ہے؟ قاضی صاحب نے فرمایا کہ اس میں یہ آیا ہے کہ جو شخص دنیا سے بے رغبت ہو آخرت میں رغبت رکھتا ہو، فقراء کو محبوب رکھتا ہو اپنی آخرت کے لئے اللہ کے یہاں ذخیرہ بھیجتا رہتا ہو وہ شخص حق تعالیٰ کے یہاں صاحب مرتبہ ہے۔۔ حضرت حاتمؒ نے فرمایا کہ پھر آپ نے کس کا اتباع اور پیروی کی؟ حضور ﷺ کے صحابہؓ کی متقی علماء کی یا فرعون اور نمرود کی؟ اے برے عالموں! تم جیسوں کو جاہل دنیادار جو دنیا کے اوپر اوندھے گرنے والے ہیں دیکھ کر یہ کہتے ہیں کہ جب عالموں کا یہ حال ہے تو ہم تو ان سے زیادہ برے ہی ہوں گے۔

یہ کہہ کر حضرت حاتمؒ تو واپس چلے گئے اور قاضی صاحب کے مرض میں اس گفتگو اور نصیحت کی وجہ سے اور بھی زیادہ اضافہ ہو گیا۔ لوگوں میں اسکا چرچا ہوا تو کسی نے حضرت حاتمؒ سے کہا کہ طنافسیؒ جو قزوین میں رہتے ہیں۔ (قزوین ری سے ستائیس فرسخ یعنی اکیاسی میل دور ہے) وہ ان سے بھی زیادہ رئیسانہ شان سے رہتے ہیں۔ حضرت حاتمؒ (ان کو نصیحت کرنے کے ارادہ سے چل دیئے) جب ان کے پاس پہنچے تو کہا کہ ایک عجمی آدمی (جو عرب کا رہنے والا نہیں ہے) آپ سے یہ چاہتا ہے کہ آپ اس کو دین کی بالکل ابتداء سے یعنی نماز کی کنجی وضو سے تعلیم دیں۔ طنافسیؒ نے کہا: بڑے شوق سے۔ یہ کہہ کر طنافسیؒ نے وضو کا پانی منگایا اور طنافسیؒ نے وضو کر کے بتایا کہ کس طرح وضو کیا جاتا ہے۔ حضرت حاتمؒ نے ان کے وضو کے بعد کہا کہ میں آپ کے سامنے وضو کر لوں تا کہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے، طنافسیؒ وضو کی جگہ سے اٹھ گئے اور حضرت حاتمؒ نے بیٹھ کر وضو کرنا شروع کیا اور دونوں ہاتھوں کو چار چار مرتبہ دھویا۔ طنافسیؒ نے کہا کہ یہ اسراف ہے۔ تین تین مرتبہ دھونا چاہیے۔ حضرت حاتمؒ نے کہا سبحان اللہ العظیم میرے ایک چلو پانی میں تو اسراف ہو گیا اور یہ سب کچھ جو ساز و سامان میں تمہارے پاس دیکھ رہا

ہوں اس میں اسراف نہ ہوا؟ جب طنافسیؒ کو خیال ہوا کہ ان کا مقصد سیکھنا نہیں تھا بلکہ یہ عرض تھی۔

حضرت حاتمؒ اور امام احمدؒ کی ملاقات و گفتگو

اس کے بعد جب بغداد پہنچے اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو ان کے احوال کا علم ہوا تو وہ ان سے ملنے کے لئے تشریف لائے اور ان سے دریافت فرمایا کہ دنیا سے سلامتی کی کیا تعبیر ہے؟ حاتمؒ نے فرمایا کہ دنیا سے اس وقت تک محفوظ نہیں رہ سکتے جب تک تم میں چار چیزیں نہ ہوں۔ لوگوں کی جہالت سے درگذر کرتے رہو۔ خود ان کے ساتھ کوئی حرکت جہالت کی نہ کرو۔ تمہارے پاس جو چیز ہو ان پر خرچ کر دو ان کے پاس جو چیز ہو اس کی امید نہ رکھو۔

حضرت حاتمؒ اور اہل مدینہ کی باہمی گفتگو

اس کے بعد جب حضرت حاتمؒ مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں کے لوگ خبر سن کر ان کے پاس ملنے کے لئے جمع ہو گئے۔ انہوں نے دریافت فرمایا کہ یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا شہر ہے۔ کہنے لگے اس میں حضور ﷺ کا محل کون سا تھا؟ میں بھی وہاں جا کر دوگانہ ادا کروں! لوگوں نے کہا کہ حضور ﷺ کے تو محل نہیں تھا، بہت مختصر مکان تھا جو بہت نیچے تھا۔ کہنے لگے کہ صحابہ کرامؓ کے محل کہاں کہاں ہیں؟ مجھے وہی دکھا دو۔ لوگوں نے کہا کہ صحابہ کے بھی محل نہیں تھے، ان کے بھی چھوٹے چھوٹے مکانات زمین سے لگے ہوئے تھے۔ حاتمؒ نے کہا پھر یہ تو فرعون کا شہر ہے۔

لوگوں نے ان کو پکڑ لیا کہ (یہ شخص مدینہ منورہ کی توہین کرتا ہے اور حضور ﷺ کے شہر کو فرعون کا شہر بتاتا ہے) اور پکڑ کر امیر مدینہ کے پاس لے گئے کہ یہ عجمی شخص مدینہ طیبہ کو فرعون کا شہر بتاتا ہے۔ امیر نے ان سے مطالبہ کیا کہ یہ کیا بات ہے؟

انہوں نے کہا کہ آپ جلدی نہ کریں پوری بات سن لیں میں ایک عجمی آدمی ہوں، میں جب اس شہر میں داخل ہوا تو میں نے پوچھا کہ یہ کس کا شہر ہے؟ پھر پورا قصہ اپنے سوال وجواب کا سنا کر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن شریف میں یہ فرمایا ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ---- ﴾[1]

ترجمہ: "تم لوگوں کے واسطے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور آخرت کے دن سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو (یعنی کامل مومن ہو عرض ایسے شخص کے لئے رسول اللہ ایک عمدہ نمونہ موجود ہے (یعنی ہر بات میں یہ دیکھنا چاہیے کہ حضور کا کیا معمول تھا اور اس کا اتباع کرنا چاہئے)"۔

پس اب تم ہی بتاؤ کہ تم نے یہ حضور کا اتباع کر رکھا ہے یا فرعون کا؟ اس پر لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا۔

یہاں ایک بات یہ قابل لحاظ ہے کہ مباح چیزوں کے ساتھ لذت حاصل کرنا یا ان کی وسعت حرام یا ناجائز نہیں ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ ان کی کثرت سے ان چیزوں کے ساتھ انس پیدا ہوتا ہے ان چیزوں کی محبت دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور پھر اس کا چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے اور ان کو فراہم کرنے کے لئے اسباب تلاش کرنے پڑتے ہیں، پیداوار اور آمدنی کے بڑھانے کی فکر ہوتی ہے اور جو شخص روپیہ بڑھانے کی فکر میں لگ جاتا ہے اس کو دین کے بارے میں مداہنت بھی کرنی پڑتی ہے، اس میں بسا اوقات گناہوں کے مرتکب ہونے کی نوبت بھی آجاتی ہے، اگر دنیا میں گھسنے کے بعد اس سے محفوظ رہنا آسان ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اتنے اہتمام سے دنیا سے بے

---

[1] سورة الاحزاب، ایت ٢١

رغبتی پر تنبیہ نہ فرماتے اور اتنی شدت سے اس سے خود نہ بچتے کہ نقش والا کرتا بھی بدن مبارک پر سے اتار دیا۔

حضرت یحیٰ اور امام مالک کی مفید مکاتبت

یحیٰ بن یزید نوفلیؒ نے حضرت امام مالکؒ کو ایک خط لکھا جس میں حمد وصلوۃ کے بعد لکھا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ آپ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور پتلی روٹی استعمال کرتے ہیں اور نرم بستر پر آرام کرتے ہیں، دربان بھی آپ نے مقرر کر رکھا ہے؟ حالانکہ آپ اونچے علماء میں سے ہیں دور دور سے لوگ سفر کر کے آپ کے پاس علم سیکھنے کے لئے آتے ہیں آپ امام ہیں، مقتدا ہیں، لوگ آپ کا اتباع کرتے ہیں، آپ کو بہت احتیاط کرنی چاہیے۔ محض مخلصانہ یہ خط لکھ رہا ہوں، اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اس خط کی خبر نہیں۔ فقط والسلام

حضرت امام مالکؒ نے اس کا جواب تحریر فرمایا کہ: تمہارا خط پہنچا جو میرے لئے نصیحت نامہ شفقت نامہ اور تنبیہ تھی، حق تعالی تقویٰ کے ساتھ تمہیں منتفع فرمائے اور اس نصیحت کی جزائے خیر عطا فرمائے اور مجھے حق تعالی عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ خوبیوں پر عمل اور برائیوں سے بچنا اللہ تعالی ہی کی توفیق سے ہو سکتا ہے، جو امور تم نے ذکر کئے ، یہ صحیح ہیں ایسا ہی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائیں لیکن یہ سب چیزیں جائز ہیں اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾[1]

---

[1] سورۃ الاعراف ۳۲

ترجمہ: "آپ یہ کہہ دیجئے کہ (یہ بتلاؤ) کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی زینت (کپڑوں وغیرہ) کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا کیا اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس نے حرام کیا"؟

اس کے بعد تحریر فرمایا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ ان امور کا ترک کرنا اختیار کرنے سے اولیٰ اور بہتر ہے۔ آئندہ بھی اپنے گرامی ناموں سے مجھے مشرف کرتے رہیں میں بھی خط لکھتا رہوں گا۔ فقط والسلام۔

کتنی لطیف بات امام مالکؒ نے اختیار فرمائی کہ جواز کا فتویٰ بھی تحریر فرمادیا اور اس کا اقرار بھی فرمالیا کہ واقعی زیادہ بہتر ان امور کا ترک ہی تھا۔

پانچویں علامت: بادشاہوں سے دور رہنا

پانچویں علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ سلاطین اور حکام سے دور رہیں (بلا ضرورت (کے) ان کے پاس ہرگز نہ جائیں بلکہ وہ خود بھی آئیں تو ملاقات کم رکھیں۔ اس لئے کہ ان کے ساتھ میل جول ان کی خوشنودی اور رضا جوئی میں تکلف برتنے سے خالی نہ ہوگا۔ وہ لوگ اکثر ظالم اور ناجائز امور کا ارتکاب کرنے والے ہوتے ہیں۔ جس پر انکار کرنا ضروری ہے ان کے ظلم کا اظہار ان کے ناجائز فعل پر تنبیہ کرنا ضروری ہے اور اس پر سکوت دین میں مداہنت ہے اور اگر ان کی خوشنودی کے لئے ان کی تعریف کرنا پڑے تو یہ صریح جھوٹ ہے۔ اور ان کے مال کی طرف اگر طبیعت کو میلان ہوا اور طمع ہوئی تو ناجائز ہے۔ بہرحال ان کا اختلاط بہت سے مفاسد کی کنجی ہے۔

حضور کا ارشاد ہے کہ: جو شخص جنگل میں رہتا ہے وہ سخت مزاج ہو جاتا ہے اور جو شکار کے پیچھے لگ جاتا ہے وہ (سب چیز سے) غافل ہو جاتا ہے اور جو بادشاہ کے پاس آمد و رفت شروع کر دے وہ فتنہ میں پڑ جاتا ہے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ: اپنے

آپ کو فتنوں کی جگہ کھڑے ہونے سے بچاؤ۔ کسی نے پوچھا کہ فتنوں کی جگہ کون سی ہیں؟ فرمایا: امراء کے دروازے کہ ان کے پاس جا کر ان کی غلط کاریوں کی تصدیق کرنی پڑتی ہے اور ان کی تعریف میں ایسی باتیں کہنی پڑتی ہیں جو ان میں نہیں ہیں۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ: بدترین علماء وہ ہیں جو حکام کے یہاں حاضری دیں اور بہترین حاکم وہ ہیں جو علماءؒ کے ہاں حاضر ہوں۔ حضرتؒ سمنونؒ (جو حضرت سری سقطی کے اصحاب میں ہیں) کہتے ہیں کہ: میں نے یہ سنا تھا کہ جب تم کسی عالم کو یہ سنو کہ وہ دنیا کی محبت رکھتا ہے تو اس شخص کو اپنے دین کے بارہ میں متہم سمجھو۔ میں نے اس کا خود تجربہ کیا جب بھی میں بادشاہ کے یہاں گیا تو واپسی پر میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو اس پر میں نے ایک وبال پایا حالانکہ تم دیکھتے ہو کہ میں وہاں سخت گفتگو کرتا ہوں اور ان کی رائے کا سختی سے خلاف کرتا ہوں، وہاں کی کسی چیز سے منتفع نہیں ہوتا حتی کہ وہاں کا پانی بھی نہیں پیتا۔

ہمارے علماء بنو اسرائیل کے علماء سے بھی برے ہیں کہ وہ حکام کے پاس جا کر ان کو گنجائش بتاتے ہیں۔ ان کی خوشنودی کی فکر کرتے ہیں۔ اگر وہ ان سے ان کی ذمہ داریاں صاف صاف بتائیں تو وہ لوگ ان کا جانا بھی گراں سمجھنے لگیں۔ اور یہ صاف کہنا ان علمائے کے لئے حق تعالی شانہ کے یہاں نجات کا سبب بن جائے۔ علماء کا سلاطین کے یہاں جانا ایک بہت بڑا فتنہ ہے اور شیطان کے اغواء کرنے کا ذریعہ ہے بالخصوص جس کو بولنا اچھا آتا ہو اس کو شیطان یہ سمجھاتا ہے کہ تیرے جانے سے ان کی اصلاح ہو گی وہ اس کی وجہ سے ظلم سے بچیں گے اور دین کے شعائر کی حفاظت ہو گی حتی کہ آدمی یہ سمجھنے لگتا ہے کہ ان کے پاس جانا بھی کوئی دینی چیز ہے حالانکہ ان کے پاس جانے سے ان

کی دلداری میں مداہنت کی باتیں کرنا اور ان کی بیجا تعریفیں کرنا پڑتی ہیں جس میں دین کی ہلاکت ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے حضرت حسن بصریؒ کو لکھا کہ: مجھے ایسے مناسب لوگوں کا پتہ بتاؤ جن سے میں اپنی اس (خلافت کے) کام میں مدد لوں۔ حضرت حسن نے (جواب میں) لکھا کہ اہل دین تو تم تک نہ آئیں گے اور دنیاداروں کو تم اختیار نہ کرو گے (اور نہ کرنا چاہیے یعنی حریص طماع لوگوں کو کہ وہ اپنے لالچ میں کام خراب کر دیں گے) اس لئے شریف النسب لوگوں سے کام لو اس لئے کہ ان کی قومی شرافت ان کو اس بات سے روکے گی کہ وہ اپنی نسبی شرافت کو خیانت سے گندہ کریں۔ یہ جواب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو لکھا جن کا زہد و تقوی عدل و انصاف ضرب المثل ہے حتی کہ وہ عمر ثانی کہلاتے ہیں۔

یہ امام غزالیؒ کا ارشاد ہے لیکن اس ناکارہ[1] کے خیال میں اگر کوئی دینی مجبوری ہو تو اپنے نفس کی حفاظت اور نگرانی کرتے ہوئے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ بسا اوقات دینی مصالح اور ضرورتوں کا تقاضا جانا ہی ہوتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ اپنی

---

[1] یہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی بات ہے، ان کی یہ بات بہت وقیع ہے، امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنے مزاج وماحول اور اپنے ہی احوال وظروف کے مطابق بات تحریر فرمائی ہے، لیکن فی زمانہ اس سے متعدد غلط فہمیاں جنم لے سکتی ہیں، حضرت شیخ الحدیث نے اس پر جو کچھ لکھا، وہ بہت مفید ہے، البتہ یہاں جو بات ذکر فرمائی گئی ہے، وہ ضمنی طور پر ذکر کی گئی ہے، اس لئے اجمالی بات لکھنے پر اکتفاء فرمایا گیا ہے، اس ناکارہ نے بقدرِ ضرورت بات لکھنی چاہی لیکن وہ تحریر تھوڑی مفصل ہوگئی، اس لئے یہاں حاشیہ میں درج کرنے کی بجائے اسی مبحث "علمائے آخرت کے بارہ علامات" کے آخر میں ذکر کی جاتی ہے۔

ذاتی غرض ذاتی نفع مال و جاہ کمانا مقصود نہ ہو بلکہ صرف مسلمانوں کی ضرورت ہو حق تعالی شانہ نے فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾[1]

ترجمہ: "اور اللہ تعالی مصلحت کے ضائع کرنے والے کو اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو الگ الگ جانتے ہیں"۔

چھٹی علامت: مسئلہ بتانے میں احتیاط

چھٹی علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ: فتوی صادر کر دینے میں جلدی نہ کریں، مسئلہ بتانے میں بہت احتیاط کریں، حتی الوسع اگر کوئی دوسرا اہل ہو تو اس کا حوالہ کر دیں۔ ابو حفص نیشاپوری کہتے ہیں کہ: عالم وہ ہے کہ جو مسئلہ کے وقت اس سے خوف کرتا ہو کہ کل کو قیامت میں یہ جواب دہی کرنا پڑے گی کہ کہاں سے بتایا؟ بعض علماء نے کہا کہ: صحابہ کرام چار چیزوں سے بہت احتراز کرتے تھے: امامت کرنے سے، وصی بننے سے (یعنی کسی کی وصیت میں مال وغیرہ تقسیم کرے) امانت رکھنے سے، فتویٰ دینے سے۔ اور ان کا خصوصی مشغلہ پانچ چیزیں تھیں: قرآن پاک کی تلاوت کرنا، مساجد کا آباد کرنا، اللہ تعالیٰ کا ذکر، اچھی باتوں کی نصیحت کرنا، بری باتوں سے روکنا۔

ابن حصینؒ کہتے ہیں کہ: بعض آدمی ایسے جلدی فتوی صادر کرتے ہیں کہ وہ مسئلہ اگر حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوتا تو سارے بدر والوں کو اکٹھا کر کے مشورہ کرتے۔ حضرت انسؓ جو اتنے جلیل القدر صحابی ہیں کہ دس برس حضور کی خدمت کی جب ان سے مسئلہ دریافت کیا جاتا تو فرماتے کہ: مولانا الحسن سے دریافت کرو۔ (یہ

---

[1] سورة البقرة، ایت ۲۲۰

حضرت حسن بصریؒ مشہور فقہاء اور مشہور صوفیہ میں ہیں اور تابعی بھی ہیں۔ حضرت انسؓ باوجود صحابی ہونے کے بھی ان کا نام بتاتے) اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے جب مسئلہ دریافت کیا جاتا (حالانکہ وہ مشہور صحابی اور رئیس المفسرین ہیں) تو فرماتے کہ جابر بن زیدؒ (جو اہل فتوی تابعی ہیں) سے دریافت کرو۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ خود بڑے مشہور فقیہ صحابی ہیں حضرت سعید بن المسیبؒ (تابعی) پر حوالہ فرمادیتے۔

ساتویں علامت: باطنی علم کا اہتمام

ساتویں علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ: اس کو باطنی علم یعنی سلوک کا اہتمام بہت زیادہ ہو۔ اپنی اصلاح باطن اور اصلاح قلب میں بہت زیادہ کوشش کرنے والا ہو کہ یہ علوم ظاہریہ میں بھی ترقی کا ذریعہ ہے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ: جو اپنے علم پر عمل کرے حق تعالی شانہ اس کو ایسی چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جو اس نے نہیں پڑھیں۔ پہلے انبیاء کی کتابوں میں ہے کہ اے بنی اسرائیل! تم یہ مت کہو کہ علوم آسمان پر ہیں ان کو کون اتارے؟ یا وہ زمین کی جڑوں میں ہیں ان کو کون اوپر لائے؟ یا وہ سمندروں کے پار ہیں کون ان پر گذرے تاکہ ان کو لائے؟۔ علوم تمہارے دلوں کے اندر ہیں، تم میرے سامنے روحانی ہستیوں کے آداب کے ساتھ رہو صدیقین کے اخلاق اختیار کرو میں تمہارے دلوں میں سے علوم کو ظاہر کردوں گا۔ یہاں تک کہ وہ علوم تم کو گھیر لیں گے اور تم کو ڈھانک لیں گے۔ اور تجربہ بھی اس کا شاہد ہے کہ اہل اللہ کو حق تعالی شانہ وہ علوم اور معارف عطاء فرماتا ہے کہ کتابوں میں تلاش سے بھی نہیں ملتے۔

حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد جس کو حق تعالی سے نقل فرماتے ہیں کہ: میرا بندہ کسی ایسی چیز کے ساتھ مجھ سے تقرب حاصل نہیں کرسکتا جو مجھے زیادہ محبوب ہو ان چیزوں سے جو میں نے اس پر فرض کیں (جیسا کہ نماز کو روزہ، حج وغیر یعنی جتنا

تقرب فرائض کے اچھی طرح ادا کرنے سے حاصل ہوتا ہے ایسا تقرب دوسری چیزوں سے نہیں ہوتا اور بندہ نوافل کیساتھ بھی میرے ساتھ تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں اور جب میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کسی چیز کو پکڑتا ہے اور اسکا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو پورا کرتا ہوں اور وہ کسی چیز سے پناہ چاہتا ہے تو اس کو پناہ دیتا ہوں۔ یعنی اس کا چلنا، پھرنا، دیکھنا، سننا، سب کام میری رضا کے مطابق ہو جاتے ہیں۔

بعض حدیثوں میں اس کے ساتھ یہ مضمون بھی آیا ہے کہ: جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے وہ مجھ سے اعلان جنگ کرتا ہے۔ اور چونکہ اولیاء اللہ کا غور و فکر سب ہی حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے اسی وجہ سے قرآن پاک کے دقیق علوم ان کے قلوب پر منکشف ہو جاتے ہیں، اس کے اسرار ان پر واضح ہو جاتے ہیں بالخصوص ایسے لوگوں پر جو اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر کے ساتھ ہر وقت مشغول رہتے ہیں اور ہر شخص کو اس میں سے حسب توفیق اتنا حصہ ملتا ہے جتنا کہ عمل میں اس کا اہتمام اور اس کی کوشش ہوتی ہے۔

حضرت علیؓ نے ایک بڑی طویل حدیث میں علمائے آخرت کا حال بیان فرمایا ہے جس کو ابن قیمؒ نے "مفتاح دار السعادۃ" میں اور ابو نعیمؒ نے "حلیہ" میں ذکر فرمایا ہے اس میں فرماتے ہیں کہ قلوب بمنزلہ برتن کے ہیں اور بہترین قلوب وہ ہیں جو خیر کو زیادہ سے زیادہ محفوظ رکھنے والے ہیں۔ علم جمع کرنا مال کے جمع کرنے سے بہتر ہے کہ علم تیری حفاظت کرتا ہے اور مال کی تجھ کو حفاظت کرنی پڑتی ہے علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے اور

مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے مال کا نفع اس کے زائل ہونے (خرچ کرنے) سے ختم ہو جاتا ہے لیکن علم کا نفع ہمیشہ ہمیشہ باقی رہتا ہے (عالم کے انتقال سے بھی ختم نہیں ہوتا، کہ اس کے ارشادات باقی رہتے ہیں) پھر حضرت علی نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور فرمایا کہ: میرے سینے میں علوم ہیں کاش اس کے اہل ملتے مگر میں ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں جو دین کے اسباب کو دنیا طلبی میں خرچ کرتے ہیں یا ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں جو لذتوں میں منہمک ہیں، شہوتوں کے زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں یا مال کے جمع کرنے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ غرض یہ طویل مضمون جس کے چند فقرے یہاں نقل کئے ہیں۔

آٹھویں علامت: یقین کامل ہو

آٹھویں علامت یہ ہے کہ: اس کا یقین اور ایمان اللہ تعالیٰ شانہ کے ساتھ بڑھا ہوا ہو اور اس کا بہت زیادہ اہتمام ہو، یقین ہی اصل راس المال ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ یقین ہی پورا ایمان ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ: یقین کو سیکھو۔ اور اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یقین والوں کے پاس اہتمام سے بیٹھو ان کا اتباع کرو تاکہ اس کی برکت سے تم میں یقین کی پختگی پیدا ہو اس کو حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ اور صفات کا ایسا یقین ہو جیسا کہ چاند سورج کے وجود کا۔ وہ اس کا کامل یقین رکھتا ہو کہ ہر چیز کا کرنے والا صرف وہی ایک پاک ذات ہے اور یہ دنیا کے سارے اسباب اس کے ارادہ کیساتھ مسخر ہیں جیسا کہ مارنے والے کے ہاتھ میں لکڑی کہ اس میں لکڑی کو کوئی شخص بھی دخیل نہیں سمجھتا اور جب پختہ ہو جائے گا تو اس کو توکل، رضا اور تسلیم سہل ہو جائیگی۔ نیز اس کو اس بات کا پختہ یقین ہو کہ روزی کا ذمہ صرف اللہ جل شانہ کا ہے اور اس نے ہر شخص کی روزی کا ذمہ لے رکھا ہے جو اس کے مقدر میں ہے وہ اس کو بہر حال مل کر ہی رہے گا اور جو مقدر میں نہیں ہے وہ کسی حال بھی نہ مل سکے گا اور جب اس کا یقین پختہ ہو

جائے گا تو روزی کی طلب میں اعتدال پیدا ہو جائے گا۔ حرص اور طمع جاتی رہے گی جو چیز میسر نہ ہو گی اس پر رنج نہ ہو گا۔ نیز اس کو اس کا یقین ہو کہ اللہ جل شانہ، ہر بھلائی اور برائی کا ہر وقت دیکھنے والا ہے ایک ذرہ کے برابر کوئی نیکی یا برائی ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اس کا بدلہ نیک یا بد ضرور ملے گا وہ نیک کام کے کرنے پر ثواب کا ایسا ہی یقین رکھتا ہو جیسا کہ روٹی کھانے سے پیٹ بھرنا اور برے کام پر عذاب کو ایسا ہی یقینی سمجھتا ہو جیسا کہ سانپ کے کاٹنے سے زہر کا چڑھنا (وہ نیکی کی طرف ایسا ہی مائل ہو جیسا کہ کھانے پینے کی طرف اور گناہ سے ایسا ڈرتا ہو جیسا کہ سانپ بچھو سے اور جب یقین پختہ ہو جائے گا تو ہر نیکی کے کمانے کی اس کو پوری رغبت ہو گی اور ہر برائی سے بچنے کا پورا اہتمام ہو گا۔

نویں علامت: خوف الٰہی کا استحضار

نویں علامت یہ ہے کہ اس کی ہر حرکت و سکون سے اللہ جل شانہ کا خوف ٹپکتا ہو اس کی عظمت و جلال اور ہیبت کا اثر اس شخص کی ہر ادا سے ظاہر ہوتا ہو، اس کے لباس سے اس کی عادات سے اس کے بولنے سے اس کے چپ رہنے سے حتیٰ کہ ہر حرکت اور سکون سے یہ بات ظاہر ہوتی ہو، اس کی صورت دیکھنے سے اللہ تعالیٰ شانہ کی یاد تازہ ہوتی ہو، سکون و وقار مسکنت تواضع اس کی طبیعت بن گیا ہو، بیہودہ گوئی، لغو کلامی، تکلف سے باتیں کرنے سے گریز کرتا ہو کہ یہ چیزیں فخر اور اکٹر کی علامات ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ سے بے خوفی کی دلیل ہیں۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ علم سیکھو اور علم کے لئے سکون اور وقار سیکھو جس سے علم حاصل کرو اس کے سامنے نہایت تواضع سے رہو، جابر علماء میں سے نہ بنو۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ: میری امت کے بہترین افراد وہ ہیں جو مجمع میں اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت سے خوش رہتے ہوں اور تنہائیوں میں اللہ تعالیٰ کے عذاب

کے خوف سے روتے ہوں ان کے بدن زمین پر رہتے ہوں اور ان کے دل آسمان کی طرف لگے رہتے ہوں۔ حضور اقدس سے کسی نے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کیا ہے حضور نے فرمایا کہ: ناجائز امور سے بچنا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ شانہ کے ذکر سے تیری زبان تر و تازہ رہے۔ کسی نے پوچھا کہ بہترین ساتھی کون ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص ہے کہ اگر تو نیک کام سے غفلت کرے تو وہ تجھے متنبہ کر دے اور اگر تجھے خود یاد ہو تو اس میں تیری اعانت کرے کسی نے پوچھا کہ برا ساتھی کون ہے؟ حضور نے فرمایا کہ: وہ شخص ہے کہ اگر تجھے نیک کام سے غفلت ہو تو وہ متنبہ نہ کرے اور تو خود کرنا چاہے تو اس میں تیری اعانت نہ کرے کسی نے پوچھا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ حضور نے فرمایا جو شخص سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ شانہ سے ڈرنے والا ہو۔ کسی نے پوچھا کہ ہم کن لوگوں کے پاس زیادہ تر اپنی نشست رکھیں؟ حضور نے فرمایا جن کی صورت سے اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہو۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ آخرت میں زیادہ بے فکر وہ شخص ہو گا جو دنیا میں فکر مند رہا ہو اور آخرت میں زیادہ ہنسنے والا وہ ہو گا جو دنیا میں زیادہ رونے والا ہو۔

دسویں علامت: عملی مسائل کا اہتمام

دسویں علامت یہ ہے کہ اس کا زیادہ اہتمام ان مسائل میں ہو جو اعمال سے تعلق رکھتے ہیں جائز ناجائز سے تعلق رکھتے ہیں فلاں عمل کرنا ضروری فلاں عمل سے بچنا ضروری ہے اس چیز سے فلاں عمل ضائع ہو جاتا ہے۔ (مثلاً فلاں چیز سے نماز ٹوٹ جاتی ہے مسواک کرنے سے یہ فضیلت حاصل ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ) ایسے علوم سے زیادہ بحث نہ کرتا ہو جو محض دماغی تفریحات اور تفریعات ہوں تاکہ لوگ اس کو محقق سمجھیں، حکیم اور فلاسفر سمجھیں۔

گیارہویں علامت: بابصیرت علم

گیارہویں علامت یہ ہے کہ اپنے علوم میں بصیرت کے ساتھ نظر کرنے والا محض لوگوں کی تقلید میں اور اتباع میں ان کا قائل نہ بن جائے، اصل اتباع حضور اقدس ﷺ کے پاک ارشادات کا ہے اور اسی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اتباع ہے کہ وہ حضور اقدس ﷺ کے افعال کو دیکھنے والے ہیں اور جب اصل اتباع حضور ہی کا ہے تو حضور کے اقوال وافعال کے جمع کرنے میں ان پر غور وفکر کرنے کا بہت زیادہ اہتمام کرے۔

بارہویں علامت: بدعات سے بچاؤ کا اہتمام

بارہویں علامت بدعات سے بہت شدت اور اہتمام سے بچنا ہے، کسی کام پر آدمیوں کی کثرت کا جمع ہو جانا کوئی معتبر چیز نہیں ہے بلکہ اصل اتباع حضور کا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ صحابہ کرام کا کیا معمول رہا ہے؟ اور اس کے لئے ان حضرات کے معمولات اور احوال کا تتبع اور تلاش کرنا اور اس میں منہمک رہنا ضروری ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد ہے کہ: دو شخص بدعتی ہیں جنھوں نے اسلام میں دو بدعات جاری کیں۔ ایک وہ شخص جو یہ سمجھتا ہے کہ دین وہ ہے جو اس نے سمجھا ہے اور جو اس کی رائے کی موافقت کرتا ہے وہ ناجی ہے دوسرا وہ شخص جو دنیا کی پرستش کرتا ہے۔ اس کا طالب ہے، دنیا کمانے والوں سے خوش ہوتا ہے اور جو دنیا نہ کمائے اس سے خفا ہوتا ہے۔ ان دونوں آدمیوں کو جہنم کے لئے چھوڑ دو اور جس شخص کو حق تعالیٰ شانہ نے ان دونوں سے محفوظ رکھا ہو وہ پہلے اکابر کا اتباع کرنے والا ہے، اُن کے اقوال اور طریقہ کی پیروی کرنے والا ہے، اس کے لئے انشاء اللہ بہت بڑا اجر ہے۔

علماء اور ارباب اقتدار کے ساتھ تعلقات

یہاں امام غزالی رحمہ اللہ نے اس بات کی مذمت فرمائی ہے کہ علماء کرام اہل حکومت اور ارباب اقتدار کے ساتھ تعلقات رکھیں، دیگر بہت سے اہل علم نے بھی اس کی قباحت وشناعت بیان فرمائی ہے بلکہ بعض حضرات نے اس کی مذمت وممانعت میں رسالے بھی تصنیف فرمائے ہیں۔

اہل علم کا اہل اقتدار کے ساتھ تعلقات کی شرعی حیثیت اور دینی مقام کیا ہے؟ کیا اہل علم کو مقتدر طبقات کے ساتھ تعلقات رکھ لینے چاہئے یا نہیں؟ اس کے بارے میں شرعی تعلیمات کیا ہیں؟

اس کے متعلق اس ناکارہ کی فکر ونظر کا حاصل یہ ہے کہ: اہل اقتدار کے ساتھ اہل علم کا تعلق رکھنا بذات خود ممنوع ومذموم ہے اور نہ ہی مقصود ومطلوب ہے، جس طرح دیگر مسلمانوں کے ساتھ تعلقات رکھنا یا نہ رکھنا خود مقصود نہیں ہوتا بلکہ تعلقات کی نوعیت، مقاصد اور طریقہ کار کو دیکھا جاتا ہے اور ان باتوں کو دیکھ کر ہی کوئی فیصلہ کیا جاسکتا ہے یوں ہی اس خاص طبقہ یعنی اہل اقتدار کے ساتھ تعلقات رکھنے کا بھی یہی حکم ہے۔

تعلقات کی مختلف صورتوں کا ضابطہ

لہٰذا:

۱: اگر کوئی عالم دین ان کے ساتھ جائز نوعیت کا تعلق رکھے، جائز نوعیت کا مطلب یہ ہے کہ تعلق رکھنے میں کوئی ناجائز عنصر شامل نہ ہو۔

۲: تعلق رکھنے کی غرض ومقصد بھی کم از کم مباح ہو۔

۳: اس تعلق رکھنے کے نتیجہ میں اس بات کا کوئی قوی اندیشہ نہ ہو کہ آگے چل کر یہ شخص غلط باتوں کے ماننے پر مجبور ہو جائے گا، یا کچھ ناجائز مقاصد کی تکمیل کر لے گا۔

تو ایسا تعلق رکھنا مباح ہے، اگر تعلق رکھنے کی غرض و مقصود صرف مباح کام ہی نہ ہو بلکہ دینی مقاصد کی تکمیل پیش نظر ہو اور درج بالا باقی شرائط بھی موجود ہوں تو ایسا تعلق رکھنا نہ صرف مباح و جائز بلکہ مقصود و مستحسن بن جائے گا، جس درجے کا مقصود پیشِ نظر ہو گا، اس درجے اس تعلق رکھنے کی حیثیت و اہمیت بھی زیادہ ہو گی۔

تعلقات کے دو مختلف پہلوؤں کا تقاضا

البتہ اس بات میں بھی شبہ نہیں ہے کہ حکومتی اہل کاروں کے ساتھ تعلقات رکھنے میں دینی لحاظ سے متعدد ایسے خطرات پائے جاتے یا جاسکتے ہیں جو عام افراد و طبقات کے ساتھ تعلق رکھنے میں نہیں ہوتے، اخلاقی حد تک بھی متعدد باتوں کا اندیشہ ہوتا ہے، حبِّ مال وجاہ، حبّ منصب، شوقِ عزّت وشہرت جیسے متعدد اخلاق وجذبات پیدا ہونے کے خطرات بھی وہاں منڈلاتے ہیں اور یہ بھی اندیشہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ حسد و نفرت یا غیر معمولی عزت وغیرہ کی وجہ سے حد سے بڑھے ہوئے رویّے اختیار کرنا شروع کریں گے۔

اس لئے نظریاتی، اخلاقی اور عملی لحاظ سے مضبوط تربیت و پختگی کے بغیر ایسے تعلقات میں کھود پڑنا بعض اوقات فائدے کے بجائے نقصان کا باعث بن جاتا ہے، اس کی وجہ سے بسا اوقات "نیکی برباد، گناہ لازم" کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک طرف تو یہ پہلو ہے اور جن بزرگان دین نے اہل اقتدار کے ساتھ تعلقات رکھنے کی مذمت فرمائی ہے، ان کے پیش نظر بھی عام طور پر یہی پہلو غالب رہا ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ بھی قابل توجہ اور لائق التفات ہے، وہ یہ ہے کہ اس خاص طبقے کے ساتھ تعلق رکھنا بھی دعوت دین کا ایک حصہ بلکہ ضروری اور اہم ترین حصہ ہے، اقتدار کی تکیل چونکہ ان کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور عام افراد کا جھکاؤ بھی عموماً اسی طبقے کی طرف ہوتا ہے، اس لئے اس طبقے کے سدھرنے اور راہِ راست پر ہونے سے ہزاروں بلکہ لاکھوں منکرات پر قابو حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ پہلو بھی ایسا ہے جس سے صرفِ نظر کرنا مشکل ہے۔

دونوں پہلوؤں کا مناسب حل یہی ہے کہ ہر شخص یہ کام نہ کرے بلکہ نظریاتی، اخلاقی اور عملی لحاظ سے پوری طرح تربیت پانے اور پختگی حاصل کرنے کے بعد ہی اس کام کی طرف جایا جائے، اس سلسلے میں اہلِ علم اور بزرگان دین سے صلاح ومشورہ کرتے رہنا بھی مفید ہے، اور اپنی حفاظت اور دینی مقاصد کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے رہنا بھی اکسیر ہے۔

اس ناکارہ کے خیال میں ہر دور کے جمہور اہل علم کا یہی معمول رہا ہے، اگرچہ ہر دور میں ایسے اہل علم اور بزرگ بھی گزرے ہیں جو ان تعلقات کی حوصلہ شکنی کرتے رہے ہیں۔

امام سفیان ثوریؒ کے دو بصیرت آمیز اقوال

حافظ ابو نُعیم اصبہانی رحمہ اللہ نے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے متعدد بصیرت آموز واقعات واقوال نقل فرمائے ہیں، ان میں سے زیر بحث موضوع سے متعلق دو مفید اقوال یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

ارباب اقتدار کے ساتھ میل جول کا نقصان

حافظ ابو نعیم اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

قيل لسفيان الثوري: لو دخلت عليهم قال: «إني أخشى أن يسألني الله عن مقامي ما قلت فيه؟» قيل له: تقول وتتحفظ قال: «تأمروني أن أسبح في البحر ولا تبتل ثيابي؟» قال حيان: وبلغني أنه قال: «ليس أخاف ضربهم ولكني أخاف أن يميلوا علي بدنياهم ثم لا أرى سيئتهم سيئة»[1]

ترجمہ: "امام سفیان ثوریؒ سے کسی نے عرض کیا کہ: کاش آپ ان امراء کے پس جاتے (تو بہتر ہوتا) انہوں نے فرمایا کہ: مجھے اللہ تعالیٰ کے حساب وکتاب کا ڈر ہے کہ میں نے انہیں کیا کہا؟ (کس قدر نصیحت کی) لوگوں نے عرض کیا کہ: آپ صفائی کے ساتھ بات کیجیے اور خود کی حفاظت بھی کیجیے۔ فرمایا: تم مجھے یہ کہتے ہو کہ میں سمندر میں تیر تا رہوں اور میرے کپڑے بھی تر نہ ہوں۔ امام حیان کے بقول امام سفیان ثوری فرماتے تھے کہ: مجھے ان کے مارنے کا خوف نہیں، البتہ یہ ڈر ضرور ہے کہ میں ان کی دنیا کی طرف مائل ہو جاؤں پھر مجھے ان کی برائی، بُرائی نہ لگے"۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ بادشاہ، اہل اقتدار اور مالدار لوگوں کے ساتھ غیر ضروری میل جول کا نقصان صرف یہی نہیں ہے کہ میل جول رکھنے والے کو ان کی طرف سے کوئی جانی یا مالی نقصان پہنچے، بلکہ ایک بڑا اور عظیم نقصان یہ بھی ہے کہ ان کے میل جول کی وجہ سے مزاج وطبیعت ہی بدل جائے، دنیا اور اس کے اسباب ومتاع کے

---

[1] حلية الأولياء وطبقات الأصفياء ج۷، ص۴۲

ساتھ دلی ربط و تعلق پیدا ہو جائے، دنیا کی محبت جب دل میں گھس جاتی ہے تو اس کے بعد ہر برائی آسان ہو جاتی ہے، مشہور ہے کہ دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔ اہل اقتدار اور مالدار لوگوں کے ساتھ تعلق بڑھانے کا یہ ضروری نتیجہ اور لازمی اثر ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے اس کو کیا ہی بہتر طریقے سے تعبیر فرمایا کہ ایسا کہاں ہو سکتا ہے کہ کوئی سمندر میں تیر تا رہے اور اس کے کپڑے تک گیلے نہ ہو!

حکومت کے مقاصد پہچاننے کا پیمانہ

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے شاگرد عصام بن یزید ذکر کرتے ہیں کہ: مجھے آپ نے ایک دن (عباسی خلیفہ) مہدی کے پاس بھیجا، جب میں واپس آکر خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ آخر آپ اس شخص (خلیفہ مہدی) سے کیوں بھاگتے پھر رہے ہیں حالانکہ وہ تو کہتا ہے کہ اگر سفیان آئے تو میں اس کے ساتھ نکل کر بازار میں ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کروں گا؟ (یعنی میں اس کے ساتھ مل کر دونوں دین کا کام کریں گے؟) جواب میں امام سفیان ثوری نے بڑے ہی حکمت اور گہرے تجربے اور بصیرت کی بات ارشاد فرمائی، فرمایا:

«یا ناعس! حتیٰ یعمل بما یعلم فإذا عمل بما یعلم لم یسعنا إلا أن نذهب فنعلمه ما لا یعلم»[1]

ترجمہ: "اے خواب غفلت میں پڑے (سادہ لوح) پہلے تو وہ اپنے موجودہ علم پر عمل کرے نا، جب وہ ان باتوں پر عمل کریں گے تو پھر ہم ضرور جائیں گے اور جو باتیں اسے معلوم نہ ہو اسے سکھائیں گے"۔

---

[1] حلية الأولياء وطبقات الأصفياء ج٧، ص٤٣

یہ بہت گہری اور گہری بصیرت کی بات ہے، جو علمائے آخرت کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالی جاتی ہے۔ بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بادشاہ کو رائے عامہ ہموار کرنے یا اس نوعیت کے دیگر مقاصد واہداف حاصل کرنے کے لئے علماء کی نمائندگی کی ضرورت پڑتی ہے، علماء کو ساتھ رکھنے سے ان کا اصل مقصود یہ نہیں ہوتا کہ ان کے علم سے استفادہ کر کے خود راہ راست پر رہ کر زندگی گزاریں یا زمامِ حکومت اس علم کے سانچے میں ڈھال کر ان کے مطابق کارِ حکومت انجام دیں بلکہ دیگر مقاصد کے لئے وہ اس طرح سرگرمیاں انجام دیتے ہیں، ایسے موقع پر بہت سے مخلص مگر سطحی قسم کے اہل علم ان کا ساتھ دیتے ہیں اور پورے اخلاص وجذبے کے ساتھ تعاون کرنا شروع کرتے ہیں، لیکن انجام کار واضح ہو جاتا ہے کہ اربابِ اقتدار کے مقاصد واہداف کچھ اور تھے۔

ان جیسے مواقع کے لئے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کا درج بالا ملفوظ ایک ترازو کی حیثیت رکھتا ہے۔ تقسیم ہند کے وقت اکابر علماء مسلم لیگ کے قائدین کے بارے میں یہی سمجھتے اور کہتے رہتے تھے۔

ناکارہ عبید الرحمن

نازل حال مدرسہ فیض الاسلام، سپین خاک، نوشہرہ

۷ صفر ۲۶ھ

مصادر ومراجع

❖ القرآن الكريم

❖ الأموال لابن زنجويه، أبو أحمد حميد بن مخلد بن قتيبة بن عبد الله الخرساني المعروف بابن زنجويه (المتوفى: ٢٥١هـ)

❖ الآداب الشرعية والمنح المرعية، المؤلف: محمد بن مفلح بن محمد بن مفرج، أبو عبد الله، شمس الدين المقدسي الراميني ثم الصالحي الحنبلي (المتوفى: ٧٦٣هـ) الناشر: عالم الكتب

❖ تفسير القرآن العظيم، إسماعيل بن عمر بن كثير (المتوفى: ٧٧٤هـ) الناشر: دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة: الثانية ١٤٢٠هـ - ١٩٩٩م

❖ تنبيه الغافلين بأحاديث سيد الأنبياء والمرسلين، أبو الليث نصر بن محمد بن أحمد بن إبراهيم السمرقندي، ت: يوسف علي بديوي، دار ابن كثير، دمشق - بيروت

❖ التيسير بشرح الجامع الصغير: زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين بن علي بن زين العابدين الحدادي ثم المناوي القاهري (المتوفى: ١٠٣١هـ) مكتبة الإمام الشافعي - الرياض

❖ جامع بيان العلم وفضله، أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمري القرطبي (المتوفى: ٤٦٣هـ)

❖ حجة الله البالغة: أحمد بن عبد الرحيم بن الشهيد وجيه الدين بن معظم بن منصور المعروف بـ «الشاه ولي الله الدهلوي» (المتوفى: ١١٧٦هـ)، دار الجيل، بيروت - لبنان

❖ حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، أبو نعيم أحمد بن عبد الله بن أحمد بن إسحاق بن موسى بن مهران الأصبهاني (المتوفى: ٤٣٠هـ) الناشر: السعادة - بجوار محافظة مصر، ١٣٩٤هـ - ١٩٧٤م

❖ دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، محمد علي بن محمد بن علان بن إبراهيم البكري الصديقي الشافعي (المتوفى: ١٠٥٧هـ)

❖ رد المحتار على الدر المختار، ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (المتوفى: ١٢٥٢هـ)، دار الفكر-بيروت دار الفكر-بيروت)

❖ سنن ابن ماجه، ت: محمد فؤاد عبد الباقي، دار إحياء الكتب العربية

❖ سنن أبي داود، أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي السِّجِسْتاني (المتوفى: ٢٧٥هـ)، ت، محمد محيي الدين عبد الحميد المكتبة العصرية، بيروت)

❖ سنن الترمذي، محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك، الترمذي، أبو عيسى ، ت: بشار عواد معروف، دار الغرب الإسلامي-بيروت

❖ السنن الكبرى، أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي (المتوفى: ٤٥٨هـ)، ت، محمد عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية، بيروت

❖ شرح السنة ، الحسين بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوي الشافعي (المتوفى: ٥١٦هـ) الناشر: المكتب الإسلامي بيروت الطبعة: الثانية، ١٤٠٣هـ-١٩٨٣م

❖ شرح الطيبي على مشكاة المصابيح المسمى بـ(الكاشف عن حقائق السنن)، شرف الدين الحسين بن عبد الله الطيبي (٧٤٣هـ) ت: د. عبد الحميد هنداوي، مكتبة نزار مصطفى الباز (مكة المكرمة-الرياض)

❖ صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان، محمد بن حبان (المتوفى: ٣٥٤هـ) الناشر: مؤسسة الرسالة-بيروت الطبعة: الثانية، ١٤١٤-١٩٩٣

❖ الصحيح لمسلم، مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري (المتوفى: ٢٦١هـ)، ت محمد فؤاد عبد الباقي دار إحياء التراث العربي-بيروت)

❖ فتح الباري شرح صحيح البخاري، أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي، دار المعرفة-بيروت، ١٣٧٩
❖ فضائل صدقات، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ
❖ الفقيه والمتفقه، أبو بكر أحمد بن علي بن ثابت بن أحمد بن مهدي الخطيب البغدادي (المتوفى: ٤٦٣هـ)
❖ فيض الباري شرح صحيح البخاري لإمام العصر العلامة أنور شاه الكشميري. مكتبه رشيديه كوئته.
❖ فيض القدير شرح الجامع الصغير، عبد الرؤوف بن تاج العارفين المناوي (المتوفى: ١٠٣١هـ) الناشر: المكتبة التجارية الكبرى- مصر الطبعة: الأولى، ١٣٥٦
❖ قوت المغتذي على جامع الترمذي، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: ٩١١هـ)
❖ كتاب التعريفات، علي بن محمد بن علي الزين الشريف الجرجاني (المتوفى: ٨١٦هـ) ت: جماعة من العلماء بإشراف الناشر، دار الكتب العلمية بيروت-لبنان
❖ كتاب الكسب للإمام أبي عبد الله محمد بن الحسن بن فرقد الشيباني. مكتب المطبوعات الإسلامية.
❖ الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل، أبو القاسم محمود بن عمرو بن أحمد، الزمخشري جار الله (المتوفى: ٥٣٨هـ) دار الكتاب العربي- بيروت
❖ كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، مصطفى بن عبد الله كاتب جلبي القسطنطيني المشهور باسم حاجي خليفة أو الحاج خليفة (المتوفى: ١٠٦٧هـ، ودار الكتب العلمية)
❖ الاختيار لتعليل المختار: عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (المتوفى: ٦٨٣هـ)

❖ لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح، عبد الحق بن سيف الدين بن سعد الله البخاري الدِهلوي، ت، الأستاذ الدكتور تقي الدين الندوي، دار النوادر، دمشق - سوريا الطبعة: الأولى، ١٤٣٥ھ-٢٠١٤م

❖ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، مكتبه عمريه بلوچستان.

❖ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، علي بن أبي بكر بن سليمان الهيثمي (المتوفى: ٨٠٧ھ)

الناشر: مكتبة القدسي، القاهرة عام النشر: ١٤١٤ھ، ١٩٩٤م

❖ مجموع رسائل الحافظ ابن رجب الحنبلي، زين الدين عبد الرحمن بن أحمد بن رجب بن الحسن، السلامي، البغدادي، ثم الدمشقي، الحنبلي (المتوفى: ٧٩٥ھ)

❖ المدخل إلى السنن الكبرى، أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي (المتوفى: ٤٥٨ھ)

❖ مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (المتوفى: ١٠١٤ھ)، دار الفكر، بيروت - لبنان

❖ المستدرك على الصحيحين، أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله بن محمد بن حمدويه بن نُعيم بن الحكم الضبي الطهماني النيسابوري المعروف بابن البيع، ت: مصطفى عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية - بيروت

❖ المستدرك على الصحيحين، محمد بن عبد الله المعروف بابن البيع الحاكم (المتوفى: ٤٠٥ھ)

الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت الطبعة: الأولى، ١٤١١ - ١٩٩٠

❖ مسند الإمام أحمد بن حنبل، ت: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، مؤسسة الرسالة الطبعة: الأولى، ١٤٢١ھ - ٢٠٠١م

❖ مسند الدارمي المعروف بـ (سنن الدارمي) أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن بن الفضل بن بَهرام بن عبد الصمد الدارمي، التميمي السمرقندي (المتوفى: ٢٥٥ھ)

- مفاتيح الغيب = التفسير الكبير، أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري (المتوفى: ٦٠٦هـ)، دار إحياء التراث العربي - بيروت
- المفاتيح في شرح المصابيح، الحسين بن محمود بن الحسن، مظهر الدين الزَّيْدَانيُّ الكوفي الضَّرِيرُ الشِّيرازيُّ الحَنَفيُّ المشهورُ بالمُظْهِري (المتوفى: ٧٢٧هـ)
- مفتاح دار السعادة ومنشور ولاية العلم والإرادة، محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين ابن قيم الجوزية (المتوفى: ٧٥١هـ)
- مکتوبات مجدد الف ثاني، مترجم اردو، مولانا سید زوار حسین شاہ، مظہر بک ڈپو
- المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، دار إحياء التراث العربي - بيروت)
- الموافقات، إبراهيم بن موسى بن محمد الشهير بالشاطبي (المتوفى: ٧٩٠هـ) الناشر: دار ابن عفان، الطبعة الأولى ١٤١٧هـ/ ١٩٩٧م الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت الطبعة: الأولى، ١٤١٥ه
- الموافقات، إبراهيم بن موسى بن محمد اللخمي الغرناطي الشهير بالشاطبي، ت: أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان، دار ابن عفان
- الموطأ، مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (المتوفى: ١٧٩هـ)
- مؤطا مالك، ، ت: محمد مصطفى الأعظمي ١٣٣٤، مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان - أبو ظبي
- الميسر في شرح مصابيح السنة للتوربشتي

تصانیف حضرت مولانا مفتی عبید الرحمن صاحب زید مجدہم

علوم قرآن

اصولِ تفسیر

علوم حدیث

تکملہ منہاج السنن شرح جامع السنن للترمذی

فقہ، علوم فقہ، فتاویٰ

احکام مدارس

احکام مزارعت

علمی و فقہی مقالات (چھ جلد) دو سے زائد علمی و فقہی مقالات

عملیات کی عصری صورتیں: شرعی فقہی تناظر میں

غیر مسلم کے ساتھ تعلقات

فقہ البدعۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ (عربی)

فتاوی رحمانیہ

تجارتی سود اور کرنسی کے مسائل

تحکیم اور جرگہ: اہمیت و ضرورت اور طریقہ کار

مبیع میں کمی زیادتی کا تحقیقی مطالعہ

فقہ اسلامی: تعارف، اہمیت، عصری شبہات کا جائزہ

الرشوۃ واحکامہا فی الفقہ الاسلامی (عربی)

سرکاری قوانین اور عدالتی فیصلوں کا شرعی دائرہ کار

قتل مسلم، اسباب و موجبات، مسائل و احکام

مشترکہ خاندانی نظام

حرام ذرائع آمدن اور ان کی رائج صورتیں

حلال و حرام مشہور بہ "عطر ہدایہ" (تحقیق و تخریج)

اسلام اور بین الاقوامی تعلقات

اسلام کا نظام امن و جنگ

قمار: اس کا مفہوم اور رائج صورتیں

دار الاسلام اور دار الحرب: ایک تحقیقی مطالعہ

جاوید احمد غامدی اور اس کے افکار و نظریات کے بارے میں مفصل فتویٰ

مسالۃ الظفر بالحق: حدودہا واحکامہا فی الفقہ الحنفی

حاشیہ کفایت المفتی

المکالمات والمراسلات العلمیۃ والفقہیۃ

نظام سیاست و حکومت

اسلام اور جدید نظام سیاست و حکومت

اسلام اور جدید سیاسی مسائل

عالمی "انسانی حقوق" کا فقہی جائزہ

عقائد و علم کلام

اصولِ عقائد

اصولِ تکفیر

مسئلہ توحید و شرک

افتراقِ امت کا تضیہ اور اہل سنت کا معیار و مصداق

اصولِ تضلیل

شرح العقیدۃ الطحاویۃ (عربی)

مبادیات علم الکلام

اصولِ فقہ

قواعد اصول الفقہ (عربی)

سبیل الوصول الی زبدۃ الاصول

فقہ حنفی کے چند ذیلی مصادر اور ان کا اصولی جائزہ

مقاصد شریعت: ایک اصولی جائزہ

ضعیف احادیث: اصولی حیثیت اور تشریعی مقا

شرح مختصر اصول فقہ

اصول افتاء: اہم عصری مباحث

اصول فقہ کے چند اہم مباحث

اصول استدلال

اسلام اور عقل

تصوف و اصلاح

علم سلوک و تصوف: اہمیت و ضرورت، مبادی و مقاصد

مشائخ طریقت کے دربار میں

فضیلت و تفاضل اور ان کی بنیادیں

فکرِ اسلامی اور اصلاحِ معاشرہ

کبیرہ گناہ

فتنے: اور حفاظتی نصاب

معمولاتِ صالحین

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

اصلاحی و معاشرتی مضامین

دین و مذہب: تعارف و اہمیت، عصری شبہات کا منصفانہ جائزہ

فضائل اخلاق

اسلام کا تصور علم